MY LIFE NOTES

by

MIAN WAQAR UL ISLAM

MY LIFE NOTES

FROM MY READING, LISTING AND LEARNING!

MIAN WAQAR UL ISLAM

WWW.MIANWAQAR.COM

PRINCIPAL CONSULTANT

MARVEL SYSTEM

WWW.MARVELSYSTEM.COM

جب پہلی دفعہ قران پڑھا

تحریر: میاں وقارالاسلام

جب میں نے پہلی دفعہ قران ترجمے کے ساتھ پڑھا، تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہی قران تھا جسے پڑھ کر صحابہ روتے جاتے تھے، پھر یہ سوچا کہ مجھ پہ تو ایسی کیفیت آئی ہی نہیں، پھر یہی سوچ کر قران دوبارہ پڑھنا شروع کیا، پھر وہ پہلی آیت آ ہی گئی جس پر انتہا کی رقعت قائم ہوئی اور 45 منٹ تک میں اس آیت سے آگے نہیں بڑھ سکا: پارہ نمبر 4، آیت نمبر 188، سورت ال عمران لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ١٨٨ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ الفاظ میرے کانوں سے گزرتے اور میرے ماضی اور حال کے حالات میرے سامنے گھومنے لگتے، اگر مجھے کبھی کسی نے دھوکہ دیا، تو اس کے پیچھے جھوٹی تعریفیں ہی نظر آئیں، اور پروفیشنل لائف میں بہتر سے بہتر پراگرس کے لیے ہمیں یا اپنی کمپنی یا اپنے پراڈکٹس یا اپنی سروس کی خاطر خواہ تعریف کرنی یا کروانی پڑتی۔ میری زندگی کی فلاسفی کو بدلنے کے لیے یہ ایک آیت کافی تھی۔ میں اپنے آپ کو اسی دن سے مسلمان سمجھتا ہوں، اسلام کی روح کیا ہوتی ہے، اللہ کو یاد کیسے کیا جاتا ہے اس کے لیے رویا اور تڑپا کیسے جاتا ہے، میری ذات اس طرح کی کسی بھی کیفیت سے سطحی طور پر بھی ناواقف تھی۔ قران پڑھیئے، دنیا میں ہماری ذات کو جھنجوڑنے کے لیے اس سے بڑی اور کوئی چیز نہیں اتاری گئی! اسی لئے اسے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہے۔

ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے: کیا تمہیں پوری زندگی میں اتنا وقت نہیں ملا تھا، کہ ایک دفعہ قران پڑھ لیتے: دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو قران پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے، اور اپنی ہدایت کے راستے پر ثابت قدم رہنے کی طاقت بھی دے، امین۔

قرانِ مجید کا بہترین شاہکار

تحریر: میاں وقارالاسلام

میری ناقص عقل جس چیز کو قرانِ مجید کا بہترین شاہکار سمجھنے پر آمادہ ہے, میں اسے دوستوں سے ضرور شئیر کرنا چاہوں گا قرانِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر طرح طرح کے مناظرے کئے ہیں، خاص طور پر جب محشر کے دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر کر طرف لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قران میں ہر جماعت کے معاملات بیان کئے ہیں، ان جماعتوں میں ایک گناہ گار جماعت شامل ہے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، ایک دوسری جماعت جو پرہزگاروں کی ہو گی جن کے چہرے روشن ہوں گے اور ایک تیسری جماعت جو سب سے آگے بڑھ جانے والی جماعت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان جماعتوں کے آپس میں بحث و تکرار کو بھی قلم بند کیا ہے۔

یہ بحث و مباحثہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جب وہ دوزخ کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں تو ہر گناہ گار جماعت طرح طرح کے عذر پیش کرے گی تا کہ کسی نہ کسی طرح دوزخ کے عذاب سے بچ جائے۔ ایک جماعت کہے گی کہ یا اللہ یہ ہمارے بڑے، ہمارے عالم، ہمارے حکمران، ہمارے آباؤاجداد، دوست احباب خواہ کوئی بھی جماعت جس نے ان کو بہکایا ہو گا وہ اس کے بارے میں کہیں گے کہ انہیں دوگنا عذاب دیا جائے کیوں کہ انہوں نے ان کی زندگی اور آخرت تباہ کر دی۔ اللہ فرمائے گا کہ ان کو بھی دگنا عذاب اور تم کو بھی دگنا عذاب تم عقل نہیں رکھتے تھے۔

یوں ہر جماعت اس طرح کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے۔ ایک اور جماعت کہے گی کہ یا اللہ ہم سے ہماری زمینیں، جائیدادیں، جاگیریں، سونا و چاندی، کاروبار، بال، بچے اور اہل خانہ خواہ جو کچھ بھی ان کی ملکیت ہو وہ سب لے لیا جائے اور کسی

طرح ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ اس دن صرف اعمال کے سودے ہوں گے اور کسی سے ان کی ملکیت کا کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک اور جماعت یہ کہے گی کہ یا اللہ اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں جانا نصیب ہو تو ہم بھی نیک اعمال کریں اور گمراہوں میں نہ ہوں۔ تو ان کی یہ درخواست بھی رد کر دی جائے گی۔ ایک اور جماعت یہ کہے گی کہ یا اللہ ہمیں تو شیطان نے گمراہ کر دیا تھا، تو شیطان جواب دے گا کہ یا اللہ مجھ میں طاقت نہ تھی کہ ان سے کوئی گناہ کروا سکتا میں انہیں دور سے بلاتا تھا اور یہ خود ہی دوڑے چلے آتے تھے۔ تو اس جماعت کا یہ عذر بھی جاتا رہے گا۔

یہاں تک کہ ہر گناہ گار جماعت کے ہر طرح کے عذر ان کو واپس کر دیے جائیں گے اور گناہ گار انسان یا جماعت کے ہاتھ میں صرف مایوسی اور بے بسی ہی رہ جائے گی۔ اب گناہ گار انسان یا جماعت کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اب سارے عذر ختم ہو گئے ہیں اور بچنے کی کوئی تدبیر باقی نہیں رہی اور اب اس کا ٹھکانہ صرف دوزخ ہے۔ اور جب دوزخ کے داروغہ انہیں دوزخ کی طرف ہانکتے ہوئے لے جا رہے ہوں گے، اور ان کے چہروں پر رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہو گا، اور ان کے دل اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے پھر ہم کلام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس وقت تمہاری ذات جس قدر بیزار ہو رہی ہے کہ دوزخ میں ڈالی جائے گی، اللہ کی ذات اس سے کئی گناہ زیادہ بیزار ہوتی تھی جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کی راہ اختیار کیا کرتے تھے۔

اظہارِ تشکر کے چند قطرے

تحریر: میاں وقارالاسلام

خدا نے اپنے علم سے کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، ہم اِس کائنات میں، علم کے وسیع سمندر سے، اپنے رب کی اجازت سے، چند قطرے چن کر لاتے ہیں، یہی قطرے ہمارے ہماری پہچان بنتے ہیں، ہمارے جینے کا مقصد بنتے ہیں، ہمیں راستہ دیکھاتے ہیں اور ہمارے سیکھنے کے عمل کو جاری رکھتے ہیں۔ کبھی یہ ہماری آنکھوں میں خوشی بن کر چمکتے ہیں، کبھی ہماری توبہ کی قبولیت کی وجہ بنتے ہیں، کبھی ہمارے جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں اور یوں یہ ہماری شخصیت کو بناتے، سنواتے اور نکھارتے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر یہی قطرے ہماری دسترس سے نکل کر دور چلے جائیں، تو احساس دم توڑنے لگتا ہے، سانسیں گھٹنے لگتی ہیں، آنکھیں پتھرانے لگتی ہیں، منظر دھندلانے لگتے ہیں، راستے کھو جاتے ہیں، منزلوں کے نشان بھی باقی نہیں رہتے، زندگی بے راہ روی کی دلدل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ وجود کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور ایسے وجود کی پہچان ایک زندہ لاش سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی کہ جیسے ہی موت آئی بھلا دیا جائے، یا پھر ایسے یاد رکھا گیا کہ اگر بھلا ہی دیا جاتا تو قدرے بہتر ہوتا۔

شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے ہمیں پیدا کیا، ہمارے مردہ دلوں کو اپنے علم کے نور سے روشن کیا، ہمیں اپنی مخلوقات میں سب پر فضیلت دی، ہمیں سیکھے اور سمجھنے کے قابل بنایا، ہمیں راستے دیئے، ان راستوں پر چلنے کا طریقہ سیکھایا اور منزلوں کے نشان بھی وضع کیئے۔ اس کے باوجود بھی ہم ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہیں، کبھی کنوئیں میں جا گرتے ہیں، کبھی کھائی میں جا پڑتے ہیں اور وہاں سے بھی جب اپنے رب کو پکارتے ہیں تو وہ ہمیں تمام اندھیروں اور ہر طرح کی گہرائیوں سے پھر نکال لاتا ہے، ہماری حالت درست کرتا ہے اور ہم پر اپنی رحمتیں پوری کرتا ہے اور اپنے فضل سے نوازتا ہے، تاکہ ہم صرف اور صرف اُسی کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلیں جس میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی لکھ دی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنے بتائے ہوئے راستے پر چلنے اور اسی پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔ آمین۔

فورتھ جینزیشن کرپشن

تحریر: میاں وقارالاسلام

لوگ کہتے ہیں کہ نواز شریف اور شہباز شریف کرپشن میں ملوث ہیں۔ آج کے دور میں اگر کوئی یہ بات کرتا ہے تو اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ اسے سیاست کی سمجھ بوجھ ہی نہیں ہے۔ کرپٹ تو زرداری تھا، یا پھر مشرف تھا، یہ تو ان سے تھوڑا کرپٹ ہے، سو اسی پہ گزارا کرو، اس سے اچھا نہیں ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کبھی کوئی ایسا سیاستدان دیکھا ہی نہیں ہے جو کرپٹ نہ ہو۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو کرپشن کے خلاف لڑتے ہوئے بھی دیکھا، جیلوں میں جاتے ہوئے بھی دیکھا، مار کھاتے ہوئے بھی دیکھا اور پھانسیوں پر لٹکتے ہوئے بھی دیکھا، مگر تبدیلی نہیں آئی اور فرعونیت کا نظام اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اب ایک تو ہم نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لی ہیں اور کوئی پوچھے تو کہتے ہیں سب اچھا ہے۔

اور دوسری طرف جب حکمرانوں کو کرپٹ کہا جاتا ہے تو وہ بھی محسوس نہیں کرتے، کیوں کے عوام جتنی بھی بکواس کر لے ان کی قسمت میں آخر کار خاموش ہونا ہی تو ہے۔ پھر عوام یہ بھی سوچتی ہے کہ ہمارے بڑوں نے کیا اُکھاڑ لیا تھا جو ہم اُکھاڑ لیں گے۔ عمران خان کو پتہ ہے کہ جتنے بھی ثبوت اکٹھے کر لیے جائیں عدالتوں کے ذریعے کرپٹ کو کرپٹ ثابت نہیں کیا جاتا کیوں کہ عدالتیں وہ سارے چور راستے مہیا کرتی ہیں جو چوروں کو اپنے بچاؤ کے لیے چاہیں۔

دوسری طرف نواز شریف صاحب کہتے ہیں عمران بیٹا سسٹم میں آ جاتا کہ میں تیرا کچومر بنا دوں، بگاڑ تو کچھ سکو گے نہیں۔ کیوں کہ ہم فورتھ جینزیشن کرپشن میں داخل ہو چکے ہیں۔ فورتھ جینزیشن کرپشن کا دور بڑا ظالم ہے، یہ ایک ایسا اندھیرا ہے کہ اگر اس میں کوئی دیا جلانے کی کوشش کرے گا تو سالوں سے سوئی ہوئی عوام کی نیند حرام کرنے کے مترادف ہے، پہلے تو کوئی اُٹھے

گا ہی نہیں اور اگر اُٹھ بھی گیا تو دیا جلانے والے کو ہی برا بھلا کہے گا، قدرت رکھتا ہو تو اسے ایک دو چپیڑیں بھی رسید کر دے گا، اور پھر دیا بجھائے گا اور سو جائے گا۔ کچھ لوگ ابھی بھی جاگ رہے ہیں، میرا ان کے لیے پیغام ہے، جاگتے رہنا بھائیو۔

مجھے لگا

تحریر: میاں وقارالاسلام

بدگمانی کی پہلی سیڑھی! "مجھے لگا" یہ ایک بڑی ہی عجیب فلاسفی ہے، بعض دفعہ لوگ اپنے اندر ایک بھیانک سی دنیا آباد کر لیتے ہیں اور عرصہ دراز خود کو اس سے ڈراتے رہتے ہیں کہ دنیا بہت ہی خوفناک ہے۔ جب کہ یہ مصنوعی دنیا صرف ان کے اندر ہی بستی ہے اور اس کا باہر کی حقیقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

یہ فلاسفی لوگوں کو خود بھی پریشان رکھتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی خاصی اذیت کا باعث بنتی ہے۔ ایک ہی طرح کے حالات وواقعات کو کچھ لوگ انتہائی مثبت انداز میں لیتے ہیں کیوں کہ ان کا سارا فوکس مثبت پہلوؤں پر ہوتا ہے، جب کہ کچھ لوگ انہیں حالات وواقعات کو دوسری طرح یعنی انتہائی منفی انداز سے دیکھتے ہیں کیوں کہ ان کا سارا فوکس منفی پہلوؤں پر ہوتا ہے۔ اور کچھ اور نایاب قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر مثبت اور منفی کوئی طاقت اثر نہیں کرتی۔

بر حال "مجھے لگا" لگتا صرف اسی کو ہے جو محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مثبت سوچ رکھنے والے منفی حالات میں بھی مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ منفی سوچ رکھنے والے مثبت حالات میں بھی منفی کردار ادا کرتے ہیں۔ منفی سوچ کبھی بھی مثبت شخصیت کو جنم نہیں دیتی۔ مثبت انسان بننے کے لیے سب سے پہلا قدم منفی سوچ کو دفن کرنا ہے۔ منفی سوچ ہمیشہ بدگمانی کو جنم دیتی ہے! بدگمانی ایسی بیماری ہے جو انسان کی ذاتی زندگی سے لے کر معاشرے کی اجتماعی زندگی تک بگاڑ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتی ہے۔ بدگمانی سے مراد ایسی بات دل میں لانا ہے جس کا نہ یقین ہو اور نہ ہی اس کے متعلق دو عادل گواہ ہوں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ترجمہ ''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو، بے شک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے)۔'' الحجرات، ۲۱: ۹۴ حضور نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل احادیث مبارکہ میں بد گمانی کرنے کی مذمت اور ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بد گمانی کرنے سے بچو کیونکہ بد گمانی سب سے جھوٹی بات ہے، ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو۔'' (مسلم، الصحیح، ۵۸۹۱: ۴، رقم: ۳۶۵۲) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، اس کی عزت اور اس کے متعلق بد گمانی کو حرام کر دیا ہے۔'' حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے بھائی کے متعلق بد گمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بد گمانی کی۔

مسکراہٹ اور آنسو!

تحریر: میاں وقارالاسلام

مسکراہٹ اور آنسو دونوں کا تعلق انسان کے احساسات سے ہوتا ہے۔ میٹھی زبان احساسات میں رس گھول سکتی ہے۔ تلخ زبان احساسات کو زخمی کر سکتی ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم کسی کے آنسو کی وجہ نہ بنیں۔ ساتھ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم کسی کی مسکراہٹ کی وجہ بن سکیں۔ خاص کر کے ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ ہماری وجہ سے کسی کی مسکراہٹ نہ دب جائے یا کوئی ہماری وجہ سے اپنے آنسو پی جائے اور ہمیں محسوس بھی نہ ہو۔

ہم خواہشات کے بچاریوں کا کیا بنے گا!

تحریر: میاں وقارالاسلام

امیروں کی بڑی بڑی ناجائز خواہشیں بھی پر بھر میں پوری ہو جاتی ہیں، اور غریبوں کی جائز خواہشیں بھی پوری ہوتے ہوتے عمر گنوادیتی ہیں۔ امیر شخص یہ سوچتا ہے کہ میں پیدا ہی خوش نصیب ہوا ہوں، اور غریب پیدا ہی بدنصیب ہوا ہے۔ غریب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ پیدا ہی بدنصیب ہوا ہے اور امیر تو ہوتے ہی خوش نصیب ہیں۔ امیر آدمی دنیا کے ہر میدان میں جیت جاتا ہے، غریب آدمی دنیا کے ہر امتحان میں ہار جاتا ہے۔

صبر اور شکر کرنے والا سوکھے نوالے پر بھی صبر اور شکر کر سکتا ہے۔ صبر اور شکر نہ کرنے والا سونے کے نوالے کھلانے سے بھی راضی نہیں ہوتا۔ دنیا غریب اور امیر دونوں کی برابر آزمائش گاہ ہے۔ اللہ کے نزدیک حجت صرف نیک اعمال کی ہے۔ جسے زیادہ دیا گیا اس کا حساب بھی اسی قدر سخت ہو گا۔ جسے جس قدر ملا اسے اسی قدر فکر مند ہونا چاہیے، دنیا کا غریب سے غریب انسان، دنیا کے امیر سے امیر انسان پر اعمال میں بھاری ہو سکتا ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو اللہ نے بہت ہی زیادہ نوازا ہے، مگر ہماری خواہشات ہمیں اندھا کر دیتی ہیں اور مزید سے مزید کی دوڑ میں دوڑاتی رہتی ہیں۔

شائید جب ہم دوڑ دوڑ کر تھک جائیں تب ہمیں خبر ہو کہ اعمال کے لے دوڑنا خواہشات کے لیے دوڑنے سے بہت آسان تھا۔ اللہ نے ہمیں غریب تو بیچارہ دوڑ تا ہی دو وقت کی روٹی کے لیے ہے، اس کی تو دوڑ دھوپ بھی اس کے اعمال کا اولین حصہ ہے۔ ہر سہولت دی ہے، کسی چیز کا محتاج نہیں رکھا، ہمارے لیے سب سے آسان کام نیک اعمال کمانا ہے! مگر ہم اکثر گھاٹے کے سودے کرتے ہیں اور خواہشوں کو عزیز رکھتے ہیں۔

غیر معیاری سوچ کبھی معیاری معاشرہ تشکیل نہیں دے سکتی!

تحریر: میاں وقارالاسلام

جب ہم انتخاب ایک آنکھ کے زاویے سے کرتے ہیں تو ہمیں ہمارا انتخاب فرشتہ اور دوسرے کا انتخاب شیطان نظر آتا ہے، اسی طرح ہم سے اختلاف رکھنے والوں کو ہمارا انتخاب شیطان اور اپنا انتخاب فرشتہ نظر آتا ہے۔

دراصل ہم جو اپنے معیار کی بنیادیں رکھتے ہیں وہ انصاف پر مبنی نہیں ہوتیں، اسی لیے ہمیں اپنی چیزیں سونا اور دوسروں کی چیزیں مٹی نظر آتی ہیں۔ ہم اپنی حماقتوں کی جنت میں رہتے ہیں اور جو ہم سے اختلاف کرے اُسے سمجھتے ہیں کہ ایک دن وہ دوزخ میں جلے گا۔

حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ہم سب کے سب ہی جہالت کی دوزخ میں جل رہے ہوتے ہیں۔ ہماری سوچ اپنے معیار کے لیے ضرورت سے زیادہ مثبت ہوتی چلی جاتی ہے اور دوسروں کی سوچ کے معیار کے بارے میں منفی ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو کبھی بھی نہیں سمجھ سکتے جب تک ہم اپنی سوچ کے معیار کو تبدیل نہ کریں۔

جب تک ہماری سوچ میں ہم سے اختلاف رکھنے والوں تک وسعت نہیں آتی، نہ ہی ہم اپنا کوئی بھلا کر سکتے ہیں، نہ ہی ہم کسی اور کا کوئی بھلا کر سکتے ہیں۔

ایسی قوموں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو ترازو سیدھا نہیں رکھتی تھیں، ہماری سوچ کے ترازو میں بھی ہم اپنے پلڑے کو ہمیشہ بھاری رکھتے ہیں۔ ایسے دوہرے معیاروں سے ہم اپنی جہالت کو تقویت دینے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔ ہمیں اپنے حالات کو بدلنے کے لیے اپنے غیر معیاری معیار تلف کرنا ہوں گے۔ تا کہ ہم ایک معیاری معاشرہ تشکیل دے سکیں۔

غیر منطقی سوچ کے حامل افراد

People with Logical Disorders

تحریر: میاں وقارالاسلام

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی سوچ انتہائی غیر منطقی ہوتی ہے۔ اول تو وہ کچھ کرتے ہی نہیں اور اگر کچھ کرتے ہیں تو انہیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیوں کر رہے ہیں۔ ان کی تمام مسافتیں منزلوں کے تعین سے پاک ہوتی ہیں۔ یہ سب سے لمبی بحث کرتے ہیں اور ان کی کوئی بھی بحث کسی بھی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچتی۔

1۔ سکول میں داخلے کے لیے جاتے ہیں تو ضروری کاغذات گھر بھول جاتے ہیں۔ سکول جاتے ہیں تو بستہ گھر بھول جاتے ہیں۔ بستہ لے بھی جائیں تو جب کاپی نکالتے ہیں تو قلم گھر ہوتا ہے۔

2۔ یہ مارکیٹ شاپنگ کے لیے جاتے ہیں تو بٹوا گھر بھول جاتے ہیں۔ بٹوا لے بھی جائیں تو شاپنگ کے بعد دکان دار کو پیسے دیئے بغیر بحث کرتے رہتے ہیں کہ پیسے دیے تو تھے، گھر آتے ہیں تو پتہ چلتا ہے بٹوے میں پیسے زیادہ ہیں اور دکان دار ٹھیک کہ رہا تھا۔

3۔ یہ گاڑی پارکنگ میں چھوڑ کر گھر آجاتے ہیں اور گھر والوں سے کہتے ہیں میں تو پیدل گیا تھا، گاڑی تو گھر پہ تھی۔ ان کی جیب سے جب پارکنگ کی سلپ نکلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اوہ گاڑی تو پارکنگ میں رہ گئی۔ اگر یہ گاڑی گھر پر لے بھی آئیں تو گاڑی کی

چابی ان کی جیب میں رہ جاتی ہے اور سارا گھر چھان مارتے ہیں کہ چابی نہیں مل رہی، گھر کے سارے افراد سے بحث کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ چابی تو ابھی تک جیب میں ہے۔

4۔ کھانا یہ سوچ کر کھانا بھول جاتے ہیں کہ شاید کھالیا ہے۔ اور کھالیں تو یہ پتا نہیں ہوتا کھایا کیا تھا۔ اور کھانا باہر سے لانا پڑے تو اول تو جاتے ہی نہیں، اگر بہت زور ڈالنے پر چلے بھی جائیں تو روٹیاں لے آتے ہیں سالن بھول جاتے ہیں اور سالن لے آتے ہیں تو روٹیاں بھول آتے ہیں اور اگر سالن اور روٹیاں دونوں لے آئیں کچن میں رکھ کر بھول جاتے ہیں کہ کھانا لایا بھی ہوں یا نہیں۔

5۔ یہ دوستوں کو ٹائم دے کر بھول جاتے ہیں کہ کہیں جانا بھی تھا، اور کوئی انہیں ٹائم دے تو یہ بھول جاتے ہیں کہ کسی نے آنا بھی تھا۔ اور اگر کوئی انہیں لکھ کر بھیج دے یعنی شادی کارڈ یا کسی بھی فنکشن کا کارڈ تو کارڈ رکھ کر بھول جاتے ہیں، اور پھر اعتراض کرتے نہیں تھکتے کہ ان کو کسی نے بلایا ہی نہیں۔ کئی دن بعد کارڈ نظر سے گزرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا اعتراض غلط تھا کارڈ تو پڑے پڑے اپنی مدت گزار گیا۔

6۔ امتحان میں جاتے ہیں تو اُس مضمون کی تیاری کر کے جاتے ہیں جس کا پرچہ اس دن ہوتا ہی نہیں۔ اگر یہ امتحان میں فیل ہو جائیں تو کسی اور کا نتیجہ دیکھ کر کئی دن تک خوش رہتے ہیں کہ فیل تو کوئی اور تھا، اور جو پاس تھا وہ میں ہوں۔ پھر استاد کو اسے سمجھانا پڑتا ہے کہ وہی فیل ہے اور پھر سے تیاری کرے۔

7۔ یہ لوگ انتہائی سیلف میڈیکیشن کرتے ہیں، پیٹ کی دوائی یہ سمجھ کر کھاتے رہتے ہیں کہ سر درد کی ہے اور سر درد کی دوائی یہ سمجھ کر کھاتے رہتے ہیں کہ پیٹ کی ہے۔ اور جب ٹھیک نہیں ہوتے تو کہتے ہیں آج کل دوائیاں 2 نمبر آرہی ہیں۔ یا پھر یہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر 2 نمبر آرہے ہیں۔

8۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مجھے فالو کریں، پھر ان کو خود پتا نہیں ہوتا کہ فالو کسے کرنا ہے۔ پھر یہ راستے میں گم ہو جاتے ہیں اور ساتھ والے سے پوچھتے ہیں کہ ہم کہاں جارہے تھے۔

9۔ جب ان کی منگنی ہوتی ہے (اگر ہوتی ہے تو) تو انگوٹھی یا تو لیتے نہیں، اور اگر لے بھی لیں تو کہیں بھول آتے ہیں۔ اور انگوٹھی لے بھی آئیں تو تقریب کا مقام بھول جاتے ہیں، تقریب کے مقام پر پہنچ بھی جائیں تو مقررہ وقت بھول جاتے ہیں۔ اتفاق سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے تو یہ بھول جاتے ہیں کہ منگنی چھوٹی والی سے ہوئی تھی یا بڑی والی سے۔

10۔ ان کے ساتھ جب کوئی بھی گیم کھیلی جاتی ہے تو اپنا سکور مرضی سے بڑھا دیتے ہیں اور دوسرے کا سکور مرضی سے کم کر دیتے ہیں۔ اپنے سے بڑا ایمپائر کسی کو نہیں مانتے، اسی لیے کبھی نہیں ہارتے، کیوں کہ مانے گے تو ہاریں گے۔ اور ہار ثابت ہو جائے تو کہتے ہیں یہ تو کھلی دھاندلی ہے ضرور سکورز میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہو گی۔ اور اگر سب مل کر بھی سمجھائیں کہ صاحب آپ ہار چکے ہیں، تو کہتے ہیں یہ سارے ملے ہوئے ہیں اور سب نے مل کر دھاندلی کی ہے۔

11۔ یہ اہم چیزوں کو کم ہی اہمیت دیتے ہیں۔ اور غیر ضروری چیزوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ بڑی سے بڑی پریشانی بھی ان کی پریشانی کی وجہ نہیں بنتی، اور جب یہ پریشان ہوتے ہیں ایسی چیز پر بھی پریشان ہو جاتے ہیں جس میں پریشان ہونے والی کوئی بات سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔

12۔ مشکل سے مشکل کام کے لیے بھی ہاں کر دیتے ہیں، ٹائم فریم پوچھا جائے تو وہ بھی 10 سے 15 منٹ، وہ بھی زیادہ سے زیادہ۔ اور پھر 5 منٹ میں ہی بھول جاتے ہیں کہ انہیں کوئی کام کہا بھی گیا تھا یا نہیں۔ انہیں بار بار یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ 10 یا 15 منٹ والا کام کر دیں، اور پھر وہ بار بار وعدہ کر کے بھی 5 منٹ میں بھول جاتے ہیں کہ کام کیا تھا۔

13۔ یہ ایم بی بی ایس کر لیں تو مارکیٹنگ کی جاب ڈھونڈتے رہتے ہیں، ایل ایل بی کر لیں تو الیکٹرانکس کی شاپ کھول لیتے ہیں، ایم بی اے کر لیں تو کسی سکول میں ٹیچنگ شروع کر دیتے ہیں، ہر ڈگری ان کے لیے مس فٹ ہوتی ہے اور یہ ہر ڈگری کے لیے مس فٹ ہوتے ہیں، اور پھر سسٹم کو کوستے رہتے ہیں کہ ان کے مطابق کیوں نہیں چلتا۔ ان کو دنیا صرف ایک ہی طرح سے سیدھی نظر آسکتی ہے کہ انہیں کسی درخت پر الٹا لٹکا دیا جائے۔

14۔ ہمیشہ متنازعہ کتابیں پڑھتے ہیں جن سے فضول بحث شروع ہو جائے اگر کوئی ان کی اصلاح کرنا چاہے تو پھر یہ ان سے کبھی صلح ہی نہیں کرتے۔ اگر یہ کسی بات پہ پھنس جائیں تو دنیا میں ابھی تک کوئی ایسی کرین نہیں بنی جو انہیں اس سے باہر نکال سکے۔ تصویر کا ہمیشہ ایک ہی پہلو دیکھتے ہیں اور دوسرے پہلو کی بات کی جائے تو لڑنے مرنے پہ آجاتے ہیں۔

15۔ انتہائی بے عزتی پروف ہوتے ہیں، جن باتوں پر ان کی ہمیشہ بے عزتی ہوتی ہے وہی باتیں بار بار کرتے ہیں اور لگاتار کرتے ہیں۔ بلاوجہ اور بلامقام بولتے ہیں۔ صحیح بات کو بھی اتنا گھما گھما کر پیش کرتے ہیں کہ اس کا کوئی بھی لفظ صحیح نہ رہے۔ اگر انہیں کوئی نہ سننے کی گستاخی کر لے تو اس سے ناراض رہتے ہیں کہ ان کا پوائنٹ آف ویو کیوں نہیں لیا گیا۔

16۔ ان کے سیلف ڈسپلن کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان کے گھر، بیڈ رومز، باتھ روم، آفس، میٹنگ رومز یہاں تک کہ کار پارکنگ سب ہی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بیڈ روم میں اپنی چیزیں رکھ کے بھول جاتے ہیں اور بیگم بچاتی کی شامت آئی رہتی ہے۔ باتھ رومز میں پانی چھوڑ کر آجاتے ہیں۔ لائٹس آن رکھ کر بھول جانا تو معمولی بات ہے۔ آفس میں کمپیوٹر کبھی آف کر کے نہیں آتے، ٹیبل پہ کچھ ترتیب سے نہیں ہوتا ترتیب دے دیں تو بھول جاتے ہیں کون سی فائل کہاں تھی، میٹنگ روم سے نکلیں تو چیئر کہاں، ٹیبل کہاں، بورڈ کہاں، فلائر کہاں اور وائر جگہ جگہ عجیب ڈھنگ سے گویا میٹنگ روم کی حالت چیخ چیخ کر بتا رہی ہوتی ہے کہ یہ ستم کسی عام انسان کے نہیں۔ کار ایسے پارک کرتے ہیں کہ بیس لوگوں کی کاریں پھنس جائیں۔ اور کسی گھر کے باہر پارک کریں تو محلہ اکٹھا ہو جاتا کہ سر رستہ بلاک ہو گیا ہے گاڑی ہٹائیں۔

17۔ یہ اکثر لڑکیوں کے نام سے فیک اکاؤنٹس بنا لیتے ہیں اور پھر دونوں طرح کی زندگیاں یعنی لڑکے والی اور لڑکیوں والی اینجوائے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ آج کیا کیا تو کہتے ہیں میں صبح صبح سکول گیا تھا اور ابھی سیدھی گھر واپس آ رہی ہوں۔ پہلے کپڑے تبدیل کروں گا پھر کھانا کھاوں گی۔ پھر میں نیٹ استعمال کروں گا اور ہم سہیلیاں فیس بک پر لمبی لمبی باتیں کریں گی۔ پھر یہ اپنے ورچیول بریک اپ پر پریشان رہتی ہیں۔

18۔ جب ان سے پیار سے بات کی جائے تو کہتے ہیں آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں۔ جب غصے سے بات کریں تو ہنس پڑتے ہیں گویا ان سے مذاق کیا جا رہا ہو۔ اگر ان سے کوئی راز کی بات شئیر کی جائے تو سارے شہر کو یہ کہ کر بتا رہے ہوتے ہیں کہ کسی کو ہرگز مت بتانا۔ انہیں گول کمرے میں کونہ ڈھونڈھ کر بیٹھنے کو کہ دیا جائے تو ساری رات لگے رہیں گے اور اگلے دن پوچھیں گے کیا آپ واقعی سیریز تھے۔

19۔ یہ اپنی تنخواہ خواہ مخواہ 4 گناہ زیادہ بتاتے ہیں اوان سے کوئی اپنی تنخواہ کا ذکر کرے تو کہتے ہیں پھینک رہا ہے اس کی تنخواہ 4 گناہ کم ہو گی۔ احمقوں کی جنت میں رہتے ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے ہیں، اور ان کی نظر میں ان سے ذہین اور کوئی نہیں ہوتا۔

سب سے تیز گاڑی چلاتے ہیں اور ہمیشہ جلدی میں ہوتے ہیں اور ہر جگہ جاتے ہی سو جاتے ہیں۔ ان کی آنیاں جانیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کام کو ہاتھ لگاتے ان کی جان جاتی ہے۔

20۔ کبھی کسی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے اپنی ساری خامیوں کا بوجھ اپنے سے جونیئر پر ڈال دیتے ہیں، پہلے تو ان کا جونیئر بیچارہ کوئی کام کر نہیں سکتا اور اگر کچھ کر لے تو فوراً اسے اپنے نام کے ساتھ چپکا لیتے ہیں۔ جیسے یہ خود ڈمپ ہوتے ہیں ویسے ہی اپنے جونیئر کو ڈمپ کر دیتے ہیں۔ کسی ٹیم کو لیڈ کرتے ہیں تو اس کا سارا مورال تباہ کر دیتے ہیں اور جب سالوں تک لاکھ کوششیں کر کے بھی ٹیم پرفارم نہیں کرتی تو کہتے ہیں ملک میں سرے سے ٹیلنٹ ہی نہیں ہے۔

21۔ بچپن سے ہی ماں باپ ان کی ٹھکائی کرتے چلے آتے ہیں تاکہ ان کا بچا ٹھیک ہو جائے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ کو کوئی ذہنی روگ ہے۔ اساتذہ سے بھی بڑی مار پڑتی ہے اور انہیں اساتذہ جلاد نظر آتے ہیں۔ کلاس میں دوسروں کی کاپیاں پھاڑ دیتے ہیں یا ان کی شرٹس پر سیاہی چھینک دیتے ہیں سو کلاس فیلوز سے بھی ان کی ٹھکائی واجب رہتی ہے۔ محلے میں کھیلتے ہوئے اکثر مار کھا کر ہی گھر آتے ہیں اور رشتہ داروں میں جاتے ہیں تو کزنوں سے مار کھا کر آجاتے ہیں۔ گویا زندگی انہیں کندن بنا چکی ہوتی ہے۔ یہ عمر میں بڑے بھی ہو جائیں پھر بھی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ اور خبطی بزرگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ جب کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو سننے والوں کی ایک دم ہنسی نکل جاتی ہے۔ ظاہر ہے انہوں نے سیکھا کیا ہوتا ہے جو سیکھانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے سارے کارنامے لطیفوں کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

اچھا ہونا اور اچھا نظر آنا

تحریر: میاں وقارالاسلام

پہلے لوگ اچھے ہوتے تھے اور اچھے نظر بھی آتے تھے، پھر لوگ اچھے نہیں رہے مگر اچھے نظر آتے تھے، پھر لوگ اچھے نظر آنا بھی بند ہو گئے اور دنیا تاریک ہو گئی۔ آج اگر کوئی اچھا نظر آنے کی کوشش بھی کر رہا ہے تو تاریک رات میں دیا جلانے کے مترادف ہے۔ اسے منافق کہہ کر دفن نہ کریں، اس کی کوشش کی قدر کریں تاکہ جیسا وہ باہر سے اچھا بننے کی کوشش کر رہا ہے ویسا وہ اندر سے بھی اچھا بن سکے۔

آج کے دور میں اچھا بننا کوئی آسان کام نہیں، لوگ تو باہر سے بھی اچھے نہیں رہے۔ عزت و احترام سے بات کرنا۔ نایاب ہو گیا ہے۔ احترام آدمیت ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔ اچھے نظر آیئے۔ اچھی باتیں کیجئے۔ اپنے ظاہر کو بدلیئے اور اپنے اندر کو بدلنے کی دعا بھی کیجئے اور کوشش بھی۔ اللہ ہماری محنت کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ ہم مجموعی طور پر انسانی قدروں سے بہت دور جا چکے ہیں۔ ہم سب کو یکسر بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم جنہیں اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں ہم ان سے بہت زیادہ اچھے بھی نہیں ہیں۔

اللہ ہمیں ہدایت دے، ہمیں ایسی قوم بنائے جس کا خواب ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ ہم اکیلے اکیلے اس خواب کو پورا نہیں کر سکتے ہمیں ایک دوسرے کے لیئے زحمت نہیں رحمت بننے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہمارے لیئے آسانیاں پیدا فرمائے۔

کامیابی ہر انسان کا خواب ہے

تحریر: میاں وقارالاسلام

کامیابی ہر انسان کا خواب ہے اور وہ اپنے خواب کی تعبیر کے دن رات سر گرم ہے۔ ہر انسان اپنے ذہن میں کامیابی کا ایک نقشہ بناتا ہے اور پھر اپنی پوری زندگی اس کے حصول کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ بہت سے لوگ سائے کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور جب منزل پہ پہنچتے ہیں تو سایہ اندھیروں میں غائب ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کی مسافتیں اتنی طویل ہوتی ہیں کہ زندگی ہار جاتی ہے۔ کچھ لوگ اپنا ہر تعلق اور واسطہ پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ منزل پر پہنچتے ہیں تو بالکل تنہا رہ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ سب کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں کچھ لوگ رب کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ سب کچھ پا کر بھی ناخوش رہتے ہیں اور کچھ سب کچھ لٹا کر بھی بے چین نہیں ہوتے۔ کامیابی ہر انسان کا خواب ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے کامیابی خواب بن کر رہ جاتی ہے۔ کچھ لوگ تھک ہار کر خواب دیکھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے خواب ہی ٹوٹ جاتے ہیں، کچھ لوگوں کے خواب بھیانک روپ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ زندگی کی افسردگیوں سے ہی باہر نہیں نکل پاتے کہ خواب بھی دیکھیں تو کیا دیکھیں۔ کچھ لوگ اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کو خواب دیکھاتے رہتے ہیں اور وہ بھی ایک سے ایک سہانے، کچھ لوگ اپنے خوابوں کی تعبیر عام لوگوں کے خوابوں کے قبرستان پر بناتے ہیں۔

کچھ لوگ اپنا دین بیچ دیتے ہیں، اپنا ایمان بیچ دیتیں ہے، ان کے لیے ان کے خواب ہی خالق و معبود ہوتے ہیں اور وہ اسی کر پرستش کرتے چلے جاتے ہیں۔ خوابوں کا دیوتا ساری زندگی ان سے چڑھاوے مانگتا رہتا ہے اور وہ لوگوں کا خون چوس چوس کر اپنے دیوتا کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ ایسی کامیابی جس میں انسانی قدریں دم دوڑ دیں، اپنے دوست پیچھے رہ جائیں، والدین کی خبر نہ ہو، رشتہ داروں کا احساس نہ ہو، ہمسائے اجنبی ہو جائیں، اپنائیت صرف اور صرف اپنے مقاصد کے حصول تک رہے جائے ایسی کامیابی ایک سہانا خواب ہی تو ہے، جو انسان سوتے ہوئے نہیں بلکہ جاگتے ہوئے دیکھتا ہے اور ساری زندگی دیکھتا ہے، یہ

خواب ٹوٹتا تب ہے جب انسان کو ابدی نیند آتی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ان کی کامیابیاں انہیں آخرت میں کچھ نہیں دے سکتیں مگر پھر بھی وہ اپنے پیٹ میں آگ کا سمندر بھرتے جاتے ہیں۔ بے چین رہتے ہیں بے تاب رہتے ہیں، ان کی ایسی کامیابیاں جو انہیں دنیا میں کسی قسم کا سکون نہیں دے سکتیں وہ آخرت میں انہیں کیا نجات دیں گی۔

انسان اپنے خوبصورت خوابوں میں قید ہے، کئی بستیوں کو انسانوں کے خوابوں سمیت الٹا کر رکھ دیا گیا تا کہ انسان سمجھے کہ حقیقی کامیابی کیا ہے۔ مگر انسان کی فطرت ہی بڑی ظالم ہے، وہ اس سے اسی کے نفس اور جان پر ظلم کرواتی ہے اور انسان اس پر ایمان لانے میں ہمیشہ جلدی کرتا ہے، اور ہمیشہ غلطی کرتا ہے۔ حقیقی کامیابی کبھی ظالم لوگوں کو نہیں ملتی، کبھی ایسے لوگوں کو نہیں ملتی جو اپنے خوابوں کو اور اپنی خواہشوں کو معبود رکھتے ہیں، کبھی ان کو نہیں ملتی جو لوگوں کی خوشیاں چھین کر اپنے خواب پورے کرتے ہیں۔ بے چین اور بے تاب لوگوں کی ڈکشنری میں حقیقی کامیابی کا لفظ ہی نہیں ہوتا۔ انسان کو کامیابی کے ایسے خوابوں سے ڈرنا چاہیے جس کی تعبیر ناکامی سے سوا کچھ نہ ہو۔

ملتان ایک صاف ستھرا شہر

تحریر: میاں وقارالاسلام

ملتان میرا اپنا شہر ہے، مگر میں گذشتہ 20 سالوں سے ملتان میں نہیں رہا، حال ہی میں اپنے ہی شہر کا ایک چھوٹا سا سروے کرنے کا موقع ملا تو کلی کھلی کے سامنے آگئی۔ ہر شخص کو اپنا شہر بھلا معلوم ہوتا ہے خواہ وہ دنیا کر سب سے بدترین شہر ہی کیوں نہ ہو۔

صفائی اور ستھرائی کا مطلب کیا ہوتا ہے شائید ملتان لوگوں کو معلوم ہی نہیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی، انڈسٹریل ایئراز، پبلک مارکیٹس، ہوٹلز اور ہسپتال، گویا شہر میں ہے تو سب کچھ، مگر کوڑے کے ڈھیر پر۔ زہریلی ویسٹ کو ویسٹ کرنے کا انتظام تو دور کی بات عام انسان کو پتا ہی نہیں ہے کہ یہ کس بلا کا نام ہے۔ لوگ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہیں جیسے آنکھوں میں جلن، سکن کی بیماریاں اور طرح طرح کی الرجیز اور جانے کیا کیا۔

جب عام آدمی سے بات کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ آپ بات تو ٹھیک کر رہے ہیں مگر یہ سب تو قدرتی ہوتا ہے جب سے ہم پیدا ہوئے ہیں ملتان شہر کو ایسے ہی دیکھ رہے یہ ایسے ہی رہے گا اس میں محکمہ کیا کرے، گورنمنٹ کیا کرے، سول سوسائٹی کی کرے اور لوگ کیا کریں، گویا انہیں معلوم ہی نہیں کہ صحت مند آب و ہوا کہتے کسے ہیں۔ سارا شہر ان مسائل کو قدرتی سمجھ کر برداشت کر رہا اور اُف تک بھی نہیں کر رہا، سو چل سو چل۔

ہم کچھ دوستوں سے ملے جو سعودی عرب میں 15 سے 20 سال ملازمت کرنے کے بعد، اپنی فیملیز میں واپس آنے کی خواہش سے، ملتان میں کچھ کاروبار کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ اپنے حالات کچھ یوں بتاتے ہیں کہ جب سے بچے ملتان آئے ہیں بیمار رہنا شروع ہو گئے ہیں، اور ہماری اپنی حالت تو بچوں سے بھی بری ہے، بڑی مشکل سے 2 یا 3 ماہ گزارنے کے ہم سوچ رہیں ہیں کہ ملتان میں کام کیا جائے یا ملتان سے جان بچا کر بھاگا جائے۔ کچھ لوگوں کا رہنا اس لیے مجبوری ہے کہ ان کے والدین یہاں رہتے

ہیں یا پھر عزیز و اقارب اور وہ اپنا شہر نہیں چھوڑنا چاہتے کیوں کہ بیماریاں ان میں رچ بس گئی ہیں اور وہ اسے مسئلہ نہیں سمجھتے، مگر ہم جو کہ باہر رہ کر آئے ہیں ہمارا یہاں رہنا موت کو دعوت دینے سے کم نہیں۔

میں نے یہ سارے واقعات بہت قریب سے سنے بھی اور دیکھے بھی۔ تو میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ بھی سارے لوگوں کی طرح شہر چھوڑ دیں گے تو شہر کا بنے گا کیا۔ آپ کو اس سلسلے میں کچھ کام کرنا چاہیے تا کہ شہر کا کچھ بھلا ہو۔ انہوں نے فوراً میری بات مان لی اور اس سلسلے میں میری خدمات بھی مانگ لیں۔

ملتان کتنا صاف ستھرا شہر ہے یہ تو مجھے پہلے بھی معلوم ہی تھا کیوں کہ کبھی کبھی ملتان کا چکر تو لگ ہی جاتا تھا، مگر با قاعدہ رہنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا۔ سو اس دفعہ یہ اتفاق بھی ہو گیا۔ ملتان کے رہائشی اور انڈسٹریل منصوبوں کے ساتھ ساتھ، شہر کے تقریباً تمام علاقوں کا سروے کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ملتان شہر کو انتہائی گندا شہر کہنا بھی انتہائی کم ہے۔ کیوں کہ صورتِ حال اس سے کہیں بدتر ہے۔ یہ صورتِ حال شہر کو دیکھ کر یا رپورٹ مکمل کر کے نہیں بلکہ سروے کے بعد ایک ہفتہ باجماعت بیمار رہنے کے بعد معلوم ہوئی۔

سروے مکمل کرنے کے ایک دن بعد ہی میرا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا، مجھے لگا شائید عمر کا تقاضا ہے، تھوڑا ویٹ گین کیا ہے، یا پھر کافی دنوں سے جِم نہیں گیا۔ پھر ڈاکٹر نے کہا کہ شروع میں یہ پرابلم سٹریس سے بھی ہو سکتی ہے تو فکر نہ کریں اور سٹریس کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ خیر میں ایک عجیب طرح کی صورت حال کا شکار رہا اور بہتری اسی میں جانی کے سارے ٹیسٹ مکمل کروا لیے جائیں۔ ہر طرح سے تسلی کر لینے کے بعد مجھے صرف ایک وجہ نظر آئی کہ میں نے ملتان کا چکر لگا لیا، سو مجھے ہسپتالوں کے درجنوں چکر لگانے پڑ گئے۔ اور میں مان گیا ملتان شہر کی صفائی اور ستھرائی کو۔

اگر آپ ملتان میں رہتے ہیں تو آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ آپ آلودہ ماحول کے عادی ہو چکے ہیں اور آپ کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اور اگر آپ کسی دوسرے شہر سے ملتان گئے ہیں اور جاتے ہی بیمار ہو گئے ہیں تو فکر نہ کریں واپس اپنے شہر

جائیں کچھ دن تک ملتان کے اثرات رہیں گے اور پھر آپ ٹھیک ہو جائیں گیں، اپنا ٹور لمبا نہ کریں ورنہ ہسپتال میں داخل بھی ہونا پڑ سکتا ہے۔

ملتان کے لوگوں کو یہ پوسٹ پڑھ کر ہنسی آ رہی ہو گی، وہ اپنی جگہ ٹھیک ہیں کیوں کہ انہیں آلودگی سے پاک ماحول کبھی ملا ہی نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ گلیوں سڑکوں اور پارکوں کو صاف کر دینا ہی صفائی ہوتی ہے۔ دراصل انہیں بہت زیادہ آگاہی کی ضرورت ہے کہ شہروں کے ویسٹ کو روزانہ کی بنیاد پر مختلف چھوٹے اور بڑے کنٹینرز میں جمع کیا جاتا ہے اور پھر شہر سے باہر ڈمپ کر کے پراسس کیا جاتا ہے تاکہ اس کا مکمل خاتمہ کیا جا سکے۔ اگر ویسٹ کو ہوا ملتی رہے تو سارے شہر کہ ہوا زہریلی ہو جاتی ہے جس سے صرف بیماریاں ہی نہیں قیمتی جانیں بھی جا سکتی ہیں۔

ملتان جیسے کئی شہر اس صورتِ حال کا شکار ہیں، ترس آتا ہے لوگوں کی زندگیوں پر جن کے شہروں کے ہسپتال پر ہسپتال چڑھا دیے گئے مگر شہروں کو بیماریوں کی آرام گاہ بنا دیا گیا۔ ملتان کے لوگ جب شکائت بھی کرتے ہیں تو یہ کرتے ہیں کہ مزید ہسپتال چاہیں، مزید ہسپتال چاہیں، مگر اس سے ہو گا کیا۔ سارے کے سارے شہر کو ہی ہسپتال جانیں، جس کو ہسپتال مل گیا وہ ہسپتال میں داخل اور جس کو ہسپتال نہیں ملا ہوا اپنے گھر میں داخل ہے تو سارے کے سارے مریض کے مریض۔ ہسپتالوں کی ضرورت اپنی جگہ مگر جس طرح سے شہر کے شہر گندے ہوتے جا رہے ہیں، ضرورت ہسپتالوں سے زیادہ شہروں کو صاف ستھرا کرنے کی ہے۔ ایکو کئیر کی ٹیم ملتان شہر کے سروے کے بعد بیمار ہو گئی جس کی وجہ سے ہمارے سارے پلان دو ہفتے تاخیر کا شکار ہو گئے۔ اب ہم اپنے سارے میڈکل ٹیسٹ کروانے کے بعد دوبارہ ملتان جانے کا سوچ رہے ہیں، اور یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ جب ہماری ٹیم ملتان جائے تو اپنے بچاؤ کا مکمل انتظام کر کے ہی جائے۔

اس پیپر کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ملتان والو اپنی فکر کرو، اُٹھو اور اپنے بنیادی حقوق کی حفاظت کرو، ملتان کے لوگ تو بڑے ہی مہمان نواز ہیں، گویا کسی بھی شہر سے زیادہ مہمان نواز، مگر بھائیو آپ کے شہر کی ہوا مہمان نواز نہیں رہی، اس سے پہلے کہ مہمان آنا چھوڑ دیں یا پھر آپ کے اپنے لوگ کہیں اور منتقل ہو جائیں، اپنے شہر کی خاطر خواہ صفائی اور اپنے بنیادی حقوق کے

لیے لڑیں۔ تاکہ جو آپ نے ساری زندگی برداشت کیا ہے آپ کے بچوں کو وہ سب برداشت نہ کرنا پڑے۔ جب آپ یہ کر لیں گے تو پھر ہی ہم کہہ سکیں گے "ملتان ایک صاف ستھرا شہر" وقتی صورتِ حال تو پوچھیں بھی مت۔

پاکستان میں جمہوریت کے وارثین

تحریر: میاں وقارالاسلام

جمہوریت کے وارثین کہتے ہیں کے ہم نے پاکستان کے لئے بڑی قربانیاں دیں ہیں، ہم نے جیلیں کاٹی ہیں صحبتیں برداشت کی ہیں، جانیں دی ہیں، ماریں کھائی ہیں سواب ہم جمہوریت کے حقدار ہیں۔

جمہوریت کے وارثو سنو!

تم لوگوں کی نااہلیوں کی وجہ سے عوام بدحال ہوئی، پاکستان کی معشیت تباہ ہوئی، ملک دو ٹکڑے ہوا، پوری دنیامیں پاکستان کی جگ ہسائی اور رسوائی ہوئی، بین القوامی تعلقات اور معاملات تباہ ہوئے، ملک دہشت گردی کی جنگ میں بری طرح ملوث ہوا، تم لوگ ایک دوسرے کو چور کہتے رہے اور عوام کا پیسہ چوری کرتے رہے، تم لوگوں نے اپنی جو دنیابنائی ہے وہ عوام کے پیسوں کو لوٹ کر اور ملک کو تباہی کے دہانے پر لا کر بنائی ہے۔

تم کہتے ہو جمہورت پر تمہارا حق ہے!

حق تو سارا عوام کا ہے کہ تمام جمہوری وارثوں کے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر ملک کی خشک سالی کو دے دیا جائے۔ تم روزِاول سے لاتوں کے بھوت تھے اور لاتیں کھا کھا کر مذید لاتیں کھانے کے عادی ہو گئے ہو۔ تم لوگ ذلت کی انتہا تک پہنچ کر یہ کہتے ہو کے یہ کامیابی کا مقام ہے۔ تم کرپشن در کرپشن کرتے ہوئے کرپشنوں کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہو۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم سے حساب نہ لیا جائے کیوں کہ تم نے تو بہت محنت سے کام کیا ہے۔

تم کہتے ہو پاکستان کو چلنے دیا جائے۔

مطلب پاکستان چلتا رہے اور تم لوگ اپنی اپنی چوریوں میں لگے رہو! تم سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو، عوام کی حالت بد سے بد اور تمہاری حالت بہتر سے بہتر ہوتی جائے اور تمہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو!

تم نے لاہور کو سومنات کا مندر بنا دیا۔

تم نے لاہور کو سومنات کا مندر بنا دیا، اور خود اس کے پنڈت بن گئے، کیا پاکستان صرف لاہور کی حدود میں محدود ہے، پاکستان کا ہر چھوٹا شہر تمہاری نظروں سے ایسے اوجھل ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگھ، ادھا پاکستان بیمار ہو کر علاج کے لیے لاہور پہنچتا ہے، تعلیم کے لیے خوار ہو کر بھی لاہور پہنچتا ہے اور روزگار کے لیے بھی خوار ہو کر لاہور پہنچتا ہے۔ تم نے چھوڑے شہروں کو کیا دیا سوائے ذلت اور رسوائی کے۔ ہمت ہے تو لاہور سے باہر نکلو اور دیکھو

تمہیں پاکستان کے ہر چھوٹے شہر سے گو نواز گو کی آواز سنائی نہ دے تو پھر کہنا

اپنے وقار کی حفاظت کریں

تحریر: میاں وقار الاسلام

انسان کو معاشرے میں جو بھی مقام ملتا ہے، اس میں انسان کا ذاتی کمال کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل جو ہمیں باعزت گھرانے میں پیدا کرتا ہے، اور خاندانی حسب نسب عطا کرتا ہے۔ علم والوں سے ملواتا ہے تو تعلیم سے منور کر دیتا ہے، اہل فن سے ملواتا ہے تو ہمارے فن کو فروغ دیتا ہے۔ ہمیں نام دیتا ہے، ہمیں پہچان دیتا ہے اور ہمیں معاشرے میں مقام بخشتا ہے۔ ماں کی دعائیں اپنا کردار ادا کرتیں ہیں، باپ کی شفقت قدم مضبوط کرتی ہے، ہماری شخصیت بہت سے نامعلوم سہاروں کی بیساکھیوں پر کھڑی ہوتی ہے۔ درخت جتنا بھی بڑا ہو جائے تکبر کی دیمک اسے کب کھوکھلا کر دے گی اور وہ گر کر مٹی ہو جائے گا یہ کوئی نہیں جانتا۔ درخت کی مضبوطی اور طاقت تب تک ہے جب تک اس کے مزاج کی ہریالی اسے ہرا بھرا رکھتی ہے۔ اگر اللہ نے آپ کو معاشرے میں سر بلند کیا ہے، تو سایہ دار درخت بنیں، پھل دار پیڑ بنے تاکہ اللہ نے آپ کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے وہ مقصد پورا ہو۔ سڑک کے کنارے کسی گھنے سایہ دار درخت کے نیچے جب کوئی مسافر تھک ہار کے بیٹھتا ہو تو درخت اس سایہ فراہم کرتا ہے یہ درخت کا کام ہے، اور یہ اس کا فرض ہے، یہی اس کی عبادت ہے، اور اسی کا اُس سے سوال کیا جائے گا۔ درخت یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے سائے میں بیٹھنے والا مسافر، کس قبیلے سے ہے، کس حسب نسب کا ہے، کس ذات کا ہے، بولتا کیسے ہے، چلتا کیسے ہیں، اس کی تعلیم کتنی ہے، اس کی تربیت کیسی ہے، اس کا مزاج کیسا ہے، اس کا لہجہ کیسا ہے۔ درخت کا اپنا ایک معیار ہے، اپنا ایک مقام ہے، اگر وہ خود کو گرا کر مسافر کی سطح پر لیے آئے گا تو وہ درخت ہی نہیں رہے گا بلکہ کٹی ہوئی لکڑیوں کا ڈھیر بن جائے گا۔ اسے درخت رہنے کے لیے اپنے معیار کو برقرار رکھنا پڑتا ہے۔ اور اپنے فرائض کو سمجھنا پڑتا ہے۔ سایہ دار ہونا اس کی پہچان ہے۔ وہ جانتا ہے جس دن اس کی ٹہنیاں سوکھ گئیں اور اس کا تنا کھوکھلا ہو گیا اس کی کہانی ختم ہو جائے گی۔ یہی انسان کے ساتھ ہوتا ہے، بڑے سے بڑا انسان بھی جس دن چھوٹے پن کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کی شان مٹی میں مل جاتی ہے، اس کا بھرم ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کا وقار جاتا رہتا ہے۔ اگر اللہ نے آپ کو لوگوں پر فضیلت دی ہے تو اس میں اللہ کے راز ہیں

کہ اس نے ایسا کیا ہے، ورنہ فضیلت تو اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر اللہ نے آپ پر فضل کیا ہے تو آپ پہ لازم ہے اُس کے فضل کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور جو معیار اللہ تعالی نے آپ کو معاشرے میں دے دیا ہے اُس کی حفاظت کریں۔ اگر آپ معاشرے کے لیے فلاح اور نیکی کے کام کر رہے ہیں تو یہ نا سمجھے کہ یہ آپ کر رہے ہیں، یہ اللہ آپ سے کروا رہا ہے کہ آپ کے ہاتھ سے نیک اعمال آگے جا رہے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہم سے نیک اعمال کرنے کا سارا اختیار چھین لے۔ جیسے کہ اللہ فرماتا ہے کہ یہ ہم پر احسان مت رکھیں کہ مسلمان ہوئے ہیں، بلکہ اللہ ہی ان پر احسان رکھتا ہے کہ انہیں مسلمان کرتا ہے۔ نیکیاں لوگوں پر احسان رکھ کر مت کریں، اور نہ ہی احسان سمجھ کر کوئی نیکی کریں، ہر طرح کی نیکی ہم پر فرض ہے اور ہم صرف اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں اور اللہ ہم پر احسان رکھتا ہے کہ ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم نیک عمل کر سکتے ہیں۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ ایمان لے آنے کے بعد والے کافر، بہت سے لوگ جنہیں معاشرے میں بہت زیادہ عزت ملتی ہے انہیں ایک معمولی سی غلطی پہ رسوا کر دیا جاتا ہے۔ انہیں نیک لوگوں سے رسوائی کا کام بھی لے لیا گیا، اللہ قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس بات سے ضرور ڈرنا چاہیے کہ اللہ ہمارے سامنے سے سیدھے رستے ہی نہ غائب کر دے اور ہمیں رسوائیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کے ساتھ ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے چہرے بدل دیں، تو پھر یہ کہاں جائیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عزتوں کی حفاظت کرے، ہماری کوتائیوں کو معاف کرے، ہمارے ساتھ در گزر کا معاملہ کرے، اپنے اپنے سیدھے راستے پر چلائے اور ثابت قدم بھی رکھے۔ ہمیں اپنا شکر گزار بنائے، اپنی حدود کی پاس داری کرنے کی توفیق دے۔ ہم میں عجز اور انکساری پیدا کرے اور ہر طرح کے تکبر اور بڑائی سے بچائے۔ بڑی بڑی بادشاہتیں ختم ہو گئیں، بڑے بڑے نام مٹ گئے، عزت اسی کی باقی رہی جس نے اپنی عزت کی حفاظت کی، وقار اُسی کا بر قرار رکھا جس نے اپنے وقار کی حفاظت کی۔ اور جو کامیاب رہا اس پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا۔

برما سے بنگلہ دیش، موت سے موت تک کا سفر

تحریر: میاں وقارالاسلام

برما کے وحشت ناک مناظر جنہیں دیکھتے ہوئے آنکھوں کی بینائی جواب دینے لگتی ہے، سنتے ہوئے کانوں کی سماعت جواب دینے لگتی ہے، بولتے ہوئے قوتِ گویائی جواب دینے لگتی ہے، لکھتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں اور سوچتے ہوئے سمجھ بوجھ جانے لگتی ہے کہ زمین پر ایک جہنم کھودی جارہی ہے جہاں معصوم مسلمانوں کو ایسے کاٹ کاٹ کر پھینکا جارہا ہے جیسے کہ ان کے جسم میں لہو ہی نہیں بہتا، یا پھر یہ کہ یہ لوگ سانس ہی نہیں لیتے۔ یہاں مثال کے طور پر صرف ایک تصویر شئیر کی ہے جو کہ ایک برمی مسلمان بچے کی ہے جس کے ماں باپ چلنے سے معذور ہیں اور ایک چھوٹا سا بچا انہیں اپنے کندھوں پر ایک ہفتہ اُٹھائے پھرتا رہا ہے اور یوں بنگلہ دیش پہنچ کر ان کی جان بچانے میں کامیاب ہوا، یہ سفر موت کے لمبے سائے میں کٹا ہوگا جس کا تصور ہماری سوجھ بجھ ختم کرنے کے لیے کافی ہے، مگر وہیں برمی مسلمانوں پر صبر کے دھانے کھولے گئے ہیں کہ وہ ایسے دردناک حالات میں بھی اپنے پیاروں کے لیے جانیں دیتے جارہے ہیں کہ شاید وہ ذہنی اور جسمانی طور پر مرے ہوئے رشتہ دوروں کو زندگی دے پائیں۔ ایسی درجنوں کہانیاں ہیں جو ہر نئے سیکنڈ میں جنم لیتی جارہی ہیں ایک ایک تاریخ لکھتی جارہی ہیں۔ شائید ہم جسے پڑھے لکھے معزز لوگ ان واقعات پر تھوڑے سے غمگین ہوں گے، تھوڑے سے افسردہ ہوں گے اور پھر اپنی زندگی میں واپس لوٹ جائیں گے۔ تاریخ ہماری بے حسی کو بھی لکھے گی، تاریخ یہ بھی لکھے گی کہ برما کی چیخیں ہمارے کانوں میں اس قدر زور سے سنائی دیتی تھیں کہ ہمیں سنائی دینا بند ہو گیا مگر ہمیں فرق نہیں پڑا، تاریخ یہ بھی لکھے گی کہ بینائی اچک لینے والے مناظر ہمارے سامنے سے گذر گئے مگر ہم اندھے ہی بنے رہے، تاریخ یہ بھی لکھے گی قلم کاروں کی سیاہی سچ نہیں اگل سکی، تاریخ یہ بھی لکھے گی کہ سچ کو خون کے ساتھ تاریخ کے پنوں پر ہمیشہ کے لیے لکھ دیا گیا۔ کیا ہمارا بطور مسلمان برما کے لوگوں سے کوئی رشتہ ہے بھی یا نہیں۔ یقینا نہیں، کیوں کہ رشتے تو احساس کے ہوتے ہیں اور محسوس کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں جس کی نشانی یہ ہے کہ امت کے ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو دوسرا حصہ محسوس کرتا ہے مگر ہمارے تو سارے حصے ہی الگ الگ

ہو چکے ہیں۔ اسلام سے دور ہوتے ہوتے شاید ہم انسانیت سے بھی دور ہو گئے ہیں، اتنے ظلم پر تو حیوانیت بھی بول پڑتی ہے جانے ہم پر کیسی شیطانیت سوار ہے جس نے ہمیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ ہمیں درد ہوتا ہے تو ہم آہ بھی نہیں کر سکتے۔ لوگ اپنی اپنی سطح پر افسردہ ہیں اور ان کے منہ سے آخری بات یہ نکلتی ہے کہ ہم بے بس ہیں، یہ بے بسی آخر ہے کیا، یہ بے بسی اس لیے ہے کہ ہم بٹے ہوئے ہیں اور ہمارے دل پھٹے ہوئے ہیں، نہ ہم نے کندھے سے کندھا ملانا سیکھا ہے، نہ ہم یک زبان ہوتے ہیں، نا ہم قدم سے قدم ملاتے ہیں، نہ ہم ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں نہ ہی ہم ایک دوسرے کو سچا مانتے ہیں۔ ہم ہر کسی کو مطلبی کہتے ہیں کیا ایسی سوچ خود مطلبی نہیں ہے۔ ہر بندے نے اپنی اپنی خواہشوں کو معبود بنایا ہوا ہے، ہماری قوم کی کوئی مشترکہ خواہش ہی نہیں بچی تو پھر ہم بچا کیا پائیں گے۔ جب یک جہیتی نہیں رہتی تو صرف بے بسی بچتی ہے بے بسی کے بعد بے یقینی کی صورتِ حال پیدا ہوتی ہے جس میں انسان کا اللہ سے یقین ہی اُٹھ جاتا ہے، وہ کہتا تو ہے کہ اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے، مگر سچے دل سے اللہ سے دعا بھی نہیں مانگتا کہ یا اللہ ہمیں یکجا کر، ہم میں فاصلے مٹا دے، ہم سے ہماری کمزوریاں دور کر دے، ہمارا جن پر بھروسہ ہے وہ صرف دشمنوں کی چالیں ہیں، ہمارا بھروسہ خود پر نہیں رہا کیوں کہ ہمارا بھروسہ تجھ پر نہیں رہا، یا اللہ ہم سے ہماری پہچان کھو گئی ہے، ہمیں خود سے روشناس کر، یہ لہو برما کے مسلمانوں کا لہو نہیں ہے یہ امت مسلمہ کا لہو ہے، ہمیں ہمارے لہو کی پہچان عطا فرما، جو قوم کسی سے نہیں ڈرتی تھی اب وہ سب سے ڈرتی ہے کیوں کہ یہ اپنی آخرت کو اور یومِ حساب کو بھلا بیٹھی ہے، پیغمبروں کی شان تھی کہ وہ آخرت کا خوف رکھنے والے تھے یا اللہ ہم میں بھی وہی شان پھر سے پیدا کر دے، ہمارے سر جب سے زمانے کے آگے جھکے ہیں کٹتے ہی چلے آ رہے ہیں، اور جہاں ہمارے سروں کو جھکنا چاہیے وہاں یہ جھکتے نہیں ہیں۔ یا اللہ ہمارے دلوں پر بہت سیاہی ہے ہماری راتیں بھی کالی ہیں ہمارے دن بھی کالے ہیں، یا اللہ ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے آ، ہم پر ہماری حقیقتیں کھول دے، ہم پر رحم فرما، صرف تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ دعا گو، میاں وقارالاسلام

14 اگست 2107 پاکستان کا 70 واں یوم آزادی

تحریر: میاں وقارالاسلام

اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے پاکستان جیسے آزاد اور خود مختیار ملک میں پیدا کیا، باعزت اور اصول پرست اسلامی خاندان دیا، رہبر اور رہنما دوست دیے، قابل قدر اور شفیق اساتذہ دیئے، جان باز مجاہدوں اور جوانوں سے حفاظت کی، ہمیشہ اپنا خاص فضل و کرم عطا کیا، کبھی بھی مشکل حالات میں تنہا نہیں کیا۔ پاکستان میری پہچان ہے اور مجھے پاکستانی ہونے پر فخر ہے۔

اللہ تعالی نے پاکستان کو دنیا کے نقشے پر خاص اہمیت دی ہے ہماری لاکھ غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالی نے پاکستان کو شب روز مضبوط کیا اور اللہ کی حکمت سے پاکستان اپنے روشن مستقبل کی طرف گامزن ہے۔

مجھے اپنے ملک کے بہترین مستقبل پر پورا یقین ہے۔ پاکستان کی بنیادوں میں شہیدوں کا لہو شامل رہا ہے اور قوم کے جذبے پہلے سے بھی بلند ہیں۔ انشاء اللہ ہماری قربانیاں جلد رنگ لانے والی ہیں۔

آمین۔

میاں وقارالاسلام

چمکنے کی صلاحیت

تحریر: میاں وقارالاسلام

میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ذرے کو چمکنے کی بھرپور صلاحیت عطا کی ہے، چمکنے کی طاقت صرف وہ ذرہ نہیں رکھتا جو اپنی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کرتا۔ ورنہ اللہ کی رحمت ہر ذرہ پر یکساں برستی رہتی ہے۔ ذرہ جب اپنی حقیقت پہچان لیتا ہے تو اس پر اس کے بنانے والے کے راز آشکار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جو ذرہ رب کے نور سے منور ہو جاتا ہے تو پوری دنیا تک اس کی روشنی پہنچتی ہے۔

جو ذرے اپنی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کرتے وہ اپنی بے نوری پر روتے رہتے ہیں جبکہ نور کے خزانے ان کے دلوں میں ہی دفن رہتے ہیں۔

خدا کے نور کو پھیلانے کی ضرورت ہے

تحریر: میاں وقارالاسلام

خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔ اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔ اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارہ ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے (پڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور خدا نے (جو مثالیں) بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

جاہلانہ حرکتیں ہمیشہ جاہلانہ معاشرے میں ہی پروان چڑھتی ہیں، پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے معاشرے اپنی خوشبو سے پہچان لئے جاتے ہیں اور ان کی رشنیاں پورے عالم پر چھا جاتی ہیں۔ ہم اپنے مسائل کا حل اندھیرے میں تلاش کر رہے ہیں جہاں کسی کو کچھ بھی نہیں ملنا، علم کی روشنی جلا لی جائے تو جہالت کے اندھیرے باقی نہیں رہتے۔ اور جو ہم اندھیروں میں ڈھونڈ رہے ہیں وہ تو خود ہی مکمل اندھیرا ہے!

اسلام میں غلطی کرنے والے اسلام کے طالب علم کو سزا دی جاتی ہے، اگر اسلام کو غلط پڑھانے والے استاد کے گرد احاطہ تنگ کیا جائے تو نہ ہی ایسے طالب علم کبھی بھی منظرِ عام پر نہ آئیں۔ مریض کو مارنے کی بجائے کینسر کا علاج کیا جائے تو ایسی بیماریوں کا علاج ممکن ہے!

اسلام امن کا شہر ہے، وحشت اور حیوانیت اس امن کے شہر کے پاک دروازے پر ایک بڑا تالہ ہے، جو کسی سانپ کی طرح آ بیٹھا ہے، وحشت اور حیوانت پھیلانے والے دین اسلام کی خدمت سے نہ صرف کوسوں دور ہیں بلکہ اسلام کی تنزلی کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ظالم ہیں وہ لوگ جو امن کے دین کو وحشت اور ظلم کی پہچان بنانے میں تلے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اسلام کے اہل کار نہیں خوارج کہا جاتا ہے۔ اسلام کو جب بھی خطرۃ ہوا ہے آستینوں کے سانپوں سے ہی ہوا ہے۔

رحمان وہ ہے جو کافر اور منکر کو بھی توبہ کرنے پر مکمل معاف کر دیتا ہے۔ انسان وہ ہے جو اختلافِ رائے رکھنے پر اللہ کی تخلیق کو مسمار کر دیتا ہے۔ رحمان کے بندے کبھی بے رحم نہیں ہوتے، شیطان کے چیلے ہی غضب ناک ہوتے ہیں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿39﴾

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اسے اس کا حساب پورا پورا چکا دے۔ اور خدا جلد حساب کرنے والا ہے۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿40﴾

یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آرہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو، غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)

اگر ہم تم میں فاصلے نہ رکھتے رہتے تو کرہ ارض تباہ ہو جاتا! اے اللہ تو ہمارے اور جاہل لوگوں کے درمیان فاصلوں کو قائم رکھنا۔ یا تو جاہلوں کو عقل دینا، یا ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھنا، امین

چھوٹی سوچ

تحریر: میاں وقارالاسلام

جب مالی درخت لگاتا ہے، تو پودے بڑے ہوتے ہوتے اس کے قد سے بھی بڑے ہو جاتے ہیں اور یہ وہ وقت ہوتا جب اس کے لگائے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودے اسے ڈھیروں پھل دینے لگتے ہیں۔

آپ بھی اپنے اردگرد اپنے ماتحت لوگوں کے لیئے مالی بنیں، اس بات سے نہ ڈریں کہ اگر ان کا قد آپ سے بڑا ہو جائے گا تو آپ چھوٹے پڑ جائیں گے۔ مالی کا کام ایک بڑا کام ہے جو سب کو نصیب نہیں ہوتا۔ آپ پانی دیں بیج ڈالیں نگہداشت کریں اللہ سے ان کے بڑھنے اور بلند ہونے کی دعا کریں اور ادبات کا خوف جانے دیں کہ آپ کا قد چھوٹا ہو گا۔

آپ کا ہر پودا جب تک آپ سے بڑا نہیں ہو گا آپ کے لیئے پھل نہیں لائے گا۔ دل کو بڑا کریں سوچ کو کشادہ کریں، اپنے ہیٔ پودوں کے درخت کاٹ دیں گے تو نقصان کے سوا آپ کے ہاتھ میں کچھ نہیں آئے گا۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

تحریر: میاں وقار الاسلام

پاکستان کا سب سے بڑا نقصان ہو گیا، پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا اور بنگلہ دیش وجود میں آ گیا

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

قوم آج بھی تقسیم ہے کہ اصل قصوروار کون تھا، کچھ لوگ ابھی بھی بھٹو کو مسیحا سمجھے ہیں اور کچھ لوگ بھٹو کو اس نقصان کا بنیادی کردار سمجھتے ہیں۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

ضیا نے ملک پر قبضہ کر لیا، بھٹو کو پھانسی دے دی گئی، کچھ لوگ ضیا کو مسیحا سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ آج بھی یہی کہتے ہیں کہ جمہوریت پر شب خون مارا گیا، اور جو مارا گیا وہ شہید تھا۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

مشرف نے نواز شریف کی حکومت ختم کر دی، کچھ لوگ سمجھتے ہیں بہت اچھا کیا گیا، اور لوگ ابھی بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مشرف نے جمہوریت پر شب خون مارا، کچھ لوگ کہتے ہیں مشرف کا ٹرائل ہونا چاہیے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مشرف کو ہی دوبارہ آجانا چاہیے۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

نئی جنریشن بڑی کنفوز ہے کہ ہمارے بڑوں نے کیا کیا حرکتیں کی ہیں کہ ساری کی ساری لیڈر شیپ کو حوالات کے راستے پارلیمنٹ میں لایا گیا ہے۔ خواہ فوج نے پکڑ دھکڑ کی ہو، خواہ سیاسی مخالفت ہو، ذاتی رنجش ہو یا پھر کرپشن کے بڑے بڑے سکینڈل ہو سارے سیاست دانوں نے تھوڑی یا زیادہ حوالات کی ہوا ضرور کھائی ہے۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

نئی جنریشن کنفوز ہے کہ جو جیلوں میں رہ کر آئے ہیں کیا انہیں بے قصور جیلوں میں ڈالا گیا، پھر جب وہ باہر نکلے تو ایسے نکلے جیسے حج یا عمرہ کر کے آئے ہوں۔

عدالتوں نے باعزت کو بے عزت کر کے جیل میں ڈالا یا بے عزت کو جیل میں ڈال کر باعزت کر دیا گویا عدالت نہ ہوئی سیاسی کریکٹر کی واشنگ مشنز ہو گئیں جو بھی گیا نہا دھو کر پاک صاف ہو کر واپس سیاسی میدان میں گند مچانے آگیا۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

نئ جنریشن کنفوز ہے کہ سیاسی قیدیوں میں سے مجرم کون ہیں اور ملزم کون ہیں، ہر پارٹ دوسر پارٹی کو چور کہ رہی ہے، عوام کا سارا مال لٹ گیا ہر سیاسی ٹولے کے بنک اکائونٹس بھر گئے مگر جرم کسی کا بھی عدالت میں ثابت نہیں ہو سکا سب ایک دوسرے کو چور چور تو کہہ رہے ہیں مگر ایک بھی چور جیل میں نہیں ہے سب کے سب مقدس ایونوں میں بیٹھے ہیں۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے

نئ جنریشن کو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ سیاست جیسی مقدس گائے کے گلے پر بار بار چھریاں پھیرنے والے مجرم اور سزا یافتہ سیاسی دھڑے سیاست جیسی مقدس گائے کے پھر سے رکھوالے بن گئے

!

اگر عدالتیں فعال ہوتیں اور فیصلے حق پر ہوتے تو یقینا آج صورتِ حال مختلف ہوتی۔ قوم کو کنفیوز کرنے میں جتنا کردار سیاسی دھڑوں کا ہے اتنا ہی کردار عدالتوں کا ہے ورنہ چور کی ہمت ہی نہ ہوتی کے دوسری تیسری دفعہ چوری کر سکے۔

قوم آج بھی تقسیم ہے، عدالت کو کٹہرے میں لانا چاہیے، عدالتوں نے اس قوم کے ساتھ جو کھلواڑ کیا ہے اور قوم کو جو مضاحکہ خیز تاریخ عطا کی ہے وہ قوم کے مزاج میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ہمارے مزاج میں جو کڑواہٹ اور تیکھا پن ہے وہ عدالتوں کی ناانصافیوں کا کھلا ثبوت ہے! لائیں عدالتیں اپنے آپ کو کٹہرے میں اور پھر کسی اور کا انصاف کریں۔

تہذیب کا دائرہ

تحریر: میاں وقارالاسلام

مہذب قومیں کی تہذیب انہیں یہ نہیں سکھاتی کہ ہر ظالم اور سرکش کی جی حضوری کی جائے، بلکہ مہذب قوموں کے باشعور افراد مظلوم کی آواز کو اُٹھاتے ہیں، ظلم کے خلاف لکھتے ہیں اور ایک عام آدمی کے درد سمجھتے ہیں اور اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ بے حس قوموں کی طرح سب اچھا ہے کا راگ نہیں الاپتے۔ نہ ہی مفلوج قوموں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے ہیں کہ اللہ سب دیکھ رہا ہے اللہ خود ہی سب ٹھیک کر دے گا۔ ہم بات کریں گے تو کسی مصیبت میں آجائیں گے۔ اور لوگ کیا کہیں گے۔ یہ ظالم پہلے والے سے کم ظالم ہے، یہ کرپٹ پہلے والے سے بہتر ہے۔ یعنی بڑا فرعون ہونا ظلم اور چھوٹا فرعون ہونا باعث رحمت، ایسے پڑھے لکھے جاہل اور مصلحت کے ذریعے ہر طرح کے مافیے کو سپیس دیتے دیتے پوری قوم کو اس آگ کی لپیٹ میں لے آتے ہیں۔

چور چھوٹا ہو یا بڑا چور چور ہوتا ہے اور اسے پکڑے جانے کا ڈر ہر وقت ہونا چاہیے، اگر عدالتیں نااہل ہوں چور کو یقین ہو کہ وہ کبھی نہیں پکڑا جائے گا تو وہ کبھی چوری نہیں چھوڑے گا بلکہ چوری کرنے کے ایک سے ایک مہذب رستے ڈھونڈے گا۔ اور عوام ایک طرف تو پستی جائے گی اور دوسری طرف واہ واہ کرتی جائے گی!

ایک عام آدمی حق پر بھی ہو تو بھی کرپٹ اداروں سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کی لپیٹ میں نہ آجائے، ہمارے ملک میں واپڈا، پی ٹی سی ایل، پولیس، ٹیکسیشن ریلوے خواہ کوئی بھی محکمہ ہو ہمیں سارے افسر جلاد نظر آتے ہیں، اور ہم ہر جگہ ہی ان سے ڈر

ڈر کر گزرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں واسطہ نہ پڑ جائے، حق پر چلنے والے ان افسروں سے ڈر ڈر کر گذرتے ہیں جب کہ چور اور لٹیرے ان کی اوقات سے واقف ہوتے ہیں کہ کس کی کتنی قیمت ہے اور جہاں سے چاہتے ہیں با آسانی گذر جاتے ہیں۔

اگر ہم نے یہ مہذب معاشرہ بنایا ہے تو مجھے افسوس ہے ایسی سوچ پر جو اسے مہذب معاشرہ کہتی ہے جس کے پور پور میں کرپشن کا کینسر بھرا ہوا ہے! اور اس سے زیادہ افسوس مجھے ان پڑھے لکھے جوانوں پر ہے جن کی آنکھوں پر مصلحت کے پردے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف آواز آٹھانے کو غیر مہذب سمجھتے ہیں۔

ظلم کے خلاف بولنا غیر مہذب نہیں ہے بلکہ ظالم کے خلاف نہ بولنا غیر مہذب ہے۔

خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی میں سحری و افطاری کا نظام و انتظام

تحریر: میاں وقارالاسلام

آج کل کے دور میں جہاں ہمیں ساری برائیاں ہی مسلمانوں میں نظر آتی ہیں وہاں کچھ ایسی روایتیں ابھی تک پوری آب و تاب سے زندہ ہیں جس سے انسانیت کی خدمت بھی ہوتی ہے اور ثواب کا حصول بھی۔

جیسے ہی ماہِ رمضان شروع ہوتا ہے خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی رونقیں آسمان کو چھونے لگتی ہیں۔ دنیا بھر سے لوگ عمرہ اور اعتکاف کی نیت سے خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی کا رُخ کرتے ہیں۔

جس جوش اور جزبے سے لوگ یہاں پہنچتے ہیں اس سے کہیں زیادہ جذبے سے یہاں کے لوگ ان کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مہمان نوازی کا حق ادا کرے۔ مہمان نوازی صرف خانہ کعبہ اور مسجد نبوی تک محدود نہیں ہوتی بلکہ پورے سعودی عرب میں یہ سلسلہ اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔

خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی میں اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، باقاعدہ گروپس بنتے ہیں کئی کئی لوگوں کو ملازمت پر رکھا جاتا ہے جن کا کام صرف سحری اور افطار کا خاطر خواہ بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ اکثر مقامی لوگ رمضان کے آخری دس یا پندرہ دنوں کی چھٹیاں لے لیتے ہیں اور خانہ کعبہ میں یا پھر مسجد نبوی میں جا کر اپنی ٹیم کے ساتھ سحری اور افطاری کا انتظام کرتے ہیں۔

درستر خوان لگ جاتے ہیں، سب کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے مہمان بنے اور انہیں خدمت کا موقع دیں۔ پوری دنیا سے مسلمان ان لوگوں کے جوش اور جذبے سے متاثر ہو کر جاتے ہیں۔ اور انتہائی خوبصورت یادیں ان کے سفر

کا حصہ بنتی ہیں۔ جو لوگ صاحبِ توفیق ہوتے ہیں باقاعدہ اس کارِ خیر کے حصہ دار بن جاتے ہیں اور پوری دنیا سے اس نیک کام کے لیے لوگ اپنا اپنا حصہ ڈالتے رہتے ہیں اور انتظامی معاملات بہتر سے بہتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

پوری دنیا سے ہزاروں لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے خانہ کعبہ اور مسجدِ نبوی میں سحری اور افطار کا انتظام میں اپنا باقاعدہ حصہ ڈالتے ہیں اور مقامی لوگوں کا پہلے سے ہی اس میں اپنا حصہ ہوتا ہے جو باہر سے آنے والے فنڈز سے اور مستحکم ہو جاتا ہے اور وہ اسے باخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ حال ہی میں میرا کچھ ایسے دوستوں سے رابطہ ہوا جنہوں نے اس سارے طریقہ کار کی تفصیل شئیر کیں۔

مسلمانوں میں اچھی روایتں کم ہوتی جا رہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ پروان چڑھنا چاہیے! اللہ تعالی ہمیں زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کا موقع دے! امین

ابلیس نے ٹھیک کہا تھا! تیرے بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا

تحریر: میاں وقارالاسلام

یقیناً ابلیس کی اوقات ہی نہیں کہ اللہ کے بندوں پر اپنا زور چلا سکے۔

مانا کہ حج اور عمرہ صرف انہیں کے لیئے ہے صاحب حیثیت ہے اور حرم تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ مگر ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو بے حیثیت لوگ باحیثیت ہو جاتے ہیں اور جنہیں طاقت نہیں ہوتی انہیں طاقت دے دی جاتی ہے، غریب، بوڑھے، لاچار، کمزور لوگ دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں حرم پہنچ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ سارا سال رات دن جاری رہتا ہے۔

یقیناً شیطان اپنی بے بسی پہ روتا ہو گا کہ جن لوگوں کو اس نے ساری زندگی اپنی ابلیسی زنجیروں سے جکڑے رکھا انہیں جب بھی اللہ کا حکم ہوا کسی نے بھی ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں کی اور اللہ کے گھر پہنچ گئے۔

لاکھوں پروانے دل میں محبت الٰہی کی شمع جلائے نور ربانی کے دربار میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ جب جماعت کھڑی ہوتی ہے حرم میں قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں بچتی تقریباً ہر جگہ سجدوں کے لیئے مخصوص ہو چکی ہوتی ہے پھر بھی ہزاروں لوگ بچ جاتے ہیں اور حرم سے باہر سڑکوں میں گلیوں میں پارکنگ میں جہاں اور جیسے کی بنیاد پر ماتھا ٹیک دیتے ہیں، مردوں اور عورتوں دونوں کے حالات ایسے ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ظاہری کشمکش سے زیادہ لوگوں کی روحانی حالت اور دل کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

یقیناشیطان تو ایسے حالات میں الٹی چارپائی پہ سوتا ہو گا

سوتا بھی ہو گا کہ نہیں۔

اللہ کی شان بہت بلند ہے، اللہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے، دنیا کے سب سے گناہگار بندے کو بھی چن لے تو ایک سیکنڈ سے پہلے اس کا دل پھیر دے اور شیطان دیکھتا ہی رہ جائے۔

حرم کے رقعت آمیز لمحات دیکھ کر یقیناشیطان سر پیٹتا ہو گا، کہ کاش وہ انسان کو ایک سجدہ کر دیتا تو روز روز کی ذلالت سے تو بچ جاتا۔

مگر اللہ نے جس کے ساتھ ذلالت چپکا دی سو چپکا دی

شیطان کے ساتھیوں کو سوائے ذلت کو اور کچھ نہیں ملتا! دعا ہے! کہ اللہ تعالی ہمیں شیاطین کے حربوں سے بچائے رکھے اور ہمیں اپنے عزت والے اور مقرب بندوں میں شامل کر لے۔ آمین

حرم میں ختم القران

تحریر: میاں وقارالاسلام

کل مکہ میں ماہ رمضان کی 29 ویں رات بھی تھی اور الواعی جمعہ مبارک بھی تھا اور اس کے ساتھ ہی ختم القران بھی تھا جس کے بعد خصوصی دعا کروائی گئی۔ خشک موسم تھا مگر آسمان میں بادلوں کی آمد بھی تھی۔

حرم میں روئے زمین پر یقینا مسلمانوں سب سے بڑی اور مقدس دعا یا تقریب جاری تھی، لاکھوں لوگ کانپتے ہاتھوں، بھیگی آنکھوں، سسکیوں اور ہچکیوں سے اپنے رب کو راضی کرنے کو شش کر رہے تھے، ظاہر ہے میری کیفیت بھی ان سے الگ نہیں تھی، پہلی مرتبہ اتنے قریب سے اس طرح کا منظر دیکھنے کو ملا تھا، اسے یقینا لفظوں کا روپ نہیں دیا جا سکتا مگر مجھے بار بار قران کی دو آیات نظر آ رہیں تھیں۔

!اول یہ کہ اللہ قران میں فرماتا ہے کہ جنت میں انسان کوئی لغوبات نہیں سنیں گے اور ان کا آپس میں کلام ہو گا اسلام و علیکم

حرم میں لاکھوں لوگ موجود تھے مختلف رنگ و نسل کے اور ظاہری طور پر سب کا کلچر بھی جدا جدا تھا اور انداز بھی الگ الگ تھے سب کا آپس میں زیادہ تر کلام بھی اسلام و علیکم تھا اور یقینا کوئی آپس میں لغوبات بھی نہیں کر رہا تھا۔ یہ ایک ایسا روح پرور منظر تھا جو کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ اور جنت کے اس خوبصورت نظارے کی منظر کشی کرتا ہوا نظر آتا ہے جس کا ذکر اللہ نے قران پاک میں کیا ہے۔ یقینا اللہ قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے دیکھاتا ہے۔

ایک اور آیت کا مفہوم ہے کہ روئے زمین پر تمام لوگوں کی آنکھیں مل کر بھی تمہارے رب کا تدارک یا احاطہ نہیں کر سکتیں میں تمہارا رب ہر آنکھ کا تدارک یا احاطہ کر سکتا ہے۔

حرم میں لاکھوں آنکھوں عشق الہی میں ڈوبی اپنے رب کی نظر کرم کی منتظر تھیں یقیناً ہم اپنی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھ تو نہیں سکتے مگر اپنی کیفیت کو بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے سنتا ہے یقیناً اس نے تمام آنکھوں کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر دل کی کیفیت کو باخوبی جانتا ہے۔

اللہ کی شان بہت بلند ہے، حرم کی طرح پوری دنیا میں چھوٹی بڑی دعا یا محفلیں ہوتی رہتی ہیں یا لوگ اکیلے بیٹھ کر بھی رب کی یاد میں گم ہوتے ہیں اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں یقیناً اللہ دیکھتا ہے سنتا ہے اور ہر آنکھ کا تدارک یا احاطہ کیئے ہوئے ہیں۔

اگر 29 روزے ہوئے تو کل تک سب سے رابطہ بحال ہو گا۔ سب کے لیئے بہت سی دعائیں اور نیک خواہشات، اللہ ہم سب پر اپنا فضل و کرم قائم رکھے، زندگی کا امتحان اور آخرت کا سفر ہم پر آسان کرے اور ہمیں ہمیشہ رہنے والی کامیابی عطا کرے۔ امین

اسلام اور سلامتی

تحریر: میاں وقارالاسلام

لفظ اسلام کا لفظی مطلب امن اور سلامتی ہے۔ اور پیغمبر کا لفظی مطلب اللہ کی طرف سے امن اور سلامتی کا پیغام پہنچانے والا۔ پیغمبر نہ کبھی حملہ کرنے آتا ہے، نہ کوئی ذاتی فائدے کے لئے بلکہ صاف صاف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے معبوث کیا جاتا ہے۔

اسلام میں جانوروں، پرندوں، حشرات وغیرہ یا آبی جانوروں یہاں تک کہ پودوں، فصلوں اور درختوں کو بھی نقصان پہنچانے کی ممانیت ہے سوائے اس کے کہ انہیں انسانیت کی ضرورت اور فلاح کے لیے استعمال کیا جائے۔

پیغمبروں کو ہمیشہ دہشت گردی اور ظلم کے خلاف امن اور سلامتی کا فرمان بنا کر بھیجا گیا ہے جیسا کہ فرعون کے خلاف یا پھر کسی بھی دوسرے حاکم کے خلاف جو وہاں کی پست حال عوام پر اپنے مظالم ڈھاتے ہوں۔

امن کا پیغام جہاں امن اور سلامتی کا فرمان بن کر آتا ہے وہیں ظالم اور ظلم کے لیے موت کا سامان بھی بن کر آتا ہے۔ کیوں کہ امن اور ظلم کسی معاشرے میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جیسے جھوٹ اور سچ اکھٹے نہی رہ سکتے۔ سچ ایک دن اپنے آپ کو منوا لیتا ہے اور جس دن ایسا ہوت ہے جھوٹ کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جب امن و سلامتی اپنے آپ کو منوا لیتی ہے اس دن ظلم کی اور ظالم کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

دنیا کی سب سے ظالم حکومتیں دہشت گردی پر پیسہ اور وسائل لگا رہیں ہیں کہ کہیں امن قائم نہ ہو جائے۔ کیوں کہ امن کا قائم ہونا ان کے ظلم کے نظام کی موت ہے۔

سوال یہ ہے کہ اسلام اپنے ملکوں یا معاشروں میں امن کیوں نہیں لا سکا

اسلامی معاشری کلمہ پڑھنے سے وجود میں نہیں آتا بلکہ شریعت کے نفاذ سے قائم ہوتا ہے۔ مجرمانہ سوچ کا حامل طبقہ یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ شریعت کا نفاذ ہو کیوں کہ جب شریعت نافذ ہوتی ہے ظالم غیر محفوظ ہوتا ہے اور مظلوم محفوظ ہوتا ہے۔

باس کی ناانصافی

تحریر: میاں وقارالاسلام

اکثر ملازموں کو اپنے باس سے شکائیت ہی رہتی ہے کہ باس انہیں وقت پر تنخواہ نہیں دیتا، ان سے کام زیادہ لیتا ہے، ان کی سیلف ریسپکٹ نہیں ہوتی، پروموشن نہیں ہوتی یا پھر سہولتیں پوری نہیں دی جاتیں۔ اکثر لوگ اسی وجہ سے جاب پر جاب تبدیل کرتے جاتے ہیں اور آخر میں ان کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ سارے باس ہی خراب ہوتے ہیں۔

ہم باحیثیت ملازم کبھی سوچتے ہیں نہیں کہ ہم نے کمپنی کے لیے کیا کیا، ہم نے اپنی صلاحتیں کام کرنے میں لگائیں یا پھر تنقید برائے تنقید کی منزلیں طے کرتے گئے۔

ادھر باس اپنی جگہ سر پکڑ کر بیٹھا ہوتا ہے کہ ایک سے ایک ملازم آئے سارے کے سارے ہڈحرام، نکمے اور کام چور۔

ذرا سوچیے کہ ایک باس پر 100 یا اس سے بھی زیادہ نکمے لوگوں کا بوجھ ہو اور وہ پھر بھی کمپنی کو چلائے تو کیا یہ انصاف ہے۔ باس تو ہر ماہ تنخواہوں کا ذمہ دار ہے مگر ملازم صرف تنخواہ لینے کی ہی ذمہ داری ہے۔

جب ہم سرکاری ملازمتوں کی بات کرتے ہیں تو صورتِ حال اس سے کہیں بدتر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سب سے نکما ہمارے وزیرِ اعظم ہے، ہوگا مگر ان پڑھے لکھے نکمے لوگوں کا کیا کریں گے جو سرکاری جاب کو جاب ہی نہیں سمجھتے سرکاری وسائل کا بے جا استعمال کرتے ہیں اور اپنے ساتھ 10 اور لوگوں کا پیٹ لگا کر کھاتے ہیں اور کھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور پھر نکل پڑتے

ہیں کبھی ہڑتالوں پر کبھی تنخواہوں کے اضافے کے لیے اور کبھی پروموشن کے لیے، کیا ان کا کام صرف مراعتیں لینا اور عوام کے پیسوں کو بلاوجہ اڑانا ہے۔

ہم ایسے ماحول میں توقع کرتے ہیں کہ صرف سیاست دان فرشتے ہوں اور باقی سب شیطان کے چیلے بنے رہیں تو چلے گا

دراصل جب انگلی ایک کی طرف کی جاتی ہے تو چار اپنی طرف ہوتی ہیں لیکن ہم کبھی بھی اپنی طرف نہیں دیکھتے

پاکستان ہر گز مایوس کن صورتِ حال میں نہیں ہے

تحریر: میاں وقار الاسلام

ہمیں کبھی بھی اچھی لیڈر شپ نہیں ملی، ہمارے ادارے کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں، عوام میں بھی شعور کا فقدان ہے اور بھی بہت سے مسائل پاکستان کو درپیش ہیں۔ ہم سارا دن پاکستان کی سیاسی پر اور پاکستانی اداروں پر تنقید کرتے رہتے ہیں یہ سب ہم پاکستان کی محبت میں کر رہے ہوتے ہیں تا کہ پاکستان کو ہر چیز نمبر 1 ملے۔

آئیڈل ازم دنیا میں کہیں نہیں ہے، خود امریکہ بھی اپنی تاریخ کی بدترین لیڈر شپ کے شکنجے میں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے سب ختم ہو گیا۔

پاکستان ہر گز ہر گز مایوس کن صورتِ حال میں نہیں ہے۔ شاید پاکستان جتنا مضبوط آج ہے اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ آج ہماری ملٹری طاقت کا موازنہ تاریخ کی کسی بھی دور سے نہیں کیا جا سکتا، معاشی لحاظ سے بھی پاکستان جس طرح کے معاہدے چین سے کر چکا ہے اس طرح کے اور اس سطح کے معاشی معاہدے کبھی امریکہ سے بھی نہیں ہوئے۔ 500 بلین ڈالر کی انوسٹمنٹ پاکستان میں 2045 تک ہر حال میں آنی ہے جس کے لیے چائنز کمپنیز گزشتہ 2 دہائیوں سے بھی زائید عرصے سے پاکستان میں دن رات کام کرنے میں مصروف ہیں، دنیا کر سب سے بڑا سولر پلانٹ لگ چکا ہے، سی پیک کو دنیا کے سب سے بڑے روڈ، ریل اور کمیونیکیشن کوریڈور سے ملا جا رہا ہے جن پر 24 گھنٹے کام ہو رہا ہے۔ پاکستان میں بجلی کے منصوبے جتنے زیادہ اور جتنے بڑے لیول پر آج ہو رہے ہیں کبھی نہیں ہوئے۔

ان منصوبوں کا فائدہ مشرف بھی لینا چاہتا ہے، زرداری بھی لینا چاہتا ہے اور نواز شریف بھی لینا چاہتا ہے اور آرمی بھی لینا چاہتی ہے۔

مگر یقین مانے ان سارے منصوبوں کے پیچھے سوائے اللہ کی ذات کے اور کوئی نہیں جس نے دنیا کے نقشوں کو تبدیل کرنا شروع کیا، چین معاشی طور پر اتنا مصبوط ہوا کہ اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے ساتھ ساتھ ایشا کے 60 ملکوں میں اپنی انوسٹمنٹس کا ایک وسیع نیٹ وورک بنانے کے قابل ہو گیا۔

چائنہ 60 ملکوں میں ایک ہی وقت میں کام کر رہا ہے، اور چائینہ کر ترقی میں ان 60 ملکوں کی اپنی ترقی بھی شامل ہے اور اس عظیم کام کے لیے چائنہ کے اندازے کے مطابق 4 سے 8 ٹریلین ڈالر کی انوسٹمنٹ کی جائے گی اور اس میں ولڈ بنک، ایشن ڈویلپمنٹ بنک اور آئی ایم ایف پہلے سے شامل ہیں۔

یہ 60 ملک دنیا کی آبادی کا 60 فیصد ہیں، دنیا کے تیل کے وسائل کا 70 فیصد ہیں جب کہ دنیا کی آمدنی کا صرف 30 فیصد ہیں۔ اسی لیے ان میں انوسٹمنٹ پر آمدنی کی شرع بھی ترقی یافتہ ملکوں سے بہت زیادہ ہے۔

ایشا دنیا کی سازشوں کا گھڑ ایسے لیے بنا ہوئے ہے کیوں کہ جو ایشیا میں ڈومنیٹ کرے گا وہی دنیا کی اگلی معاشی طاقت ہو گا۔ اور جو ایشیا کی معشیت کا حصہ نہیں بن سکے گا ایسے ترقی یافتہ ملک اگلے دور کے ترقی پذیر ملک ہو سکتے ہیں۔

ایک طرف غریب ملک اپنے بہتر مستقبل کی جن لڑ رہے ہیں اور دوسری طرف ترقی یافتہ ملک اپنی ڈوبتی ہوئی معشت کو بچانے کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

پاکستان میں چائینہ نے تب تک یہ معاہدے نہیں کئے جب تک سب سیاسی جماعتوں اور آرمی سب کو ایک پیج پر لا کر دستخط نہیں کروالیے۔ اس کا فائیدہ یہ ہوا ہے کہ یہ آپس میں جتنا بھی لڑیں س پیک کے حوالے سے کبھی نہیں لڑیں گے۔

ہمارے سیاسی حکمران اتنے سیانے نہیں ہیں کہ اس طرح کی صورت حال کو خود جنم دے لیتے جن کی سوچ ہمیشہ سے بانجھ پن کا شکار رہی ہے۔

اللہ نے ہمیں ایک ایسی لوکیشن دی ہے جو پوری دنیا میں اپنی اہمیت کا لوہا منواتی آرہی ہے جس کی وجہ سے پہلے ہمیں امیریکہ بیٹھا کر کھلاتا رہا اور اب چایئنہ بیٹھا کر کھلا رہا ہے۔

انڈیا نے بھوٹان میں اپنی فوج داخل کی جس کی وجہ سے چائنہ اور انڈیا کا ایشو گذشتہ دنوں سے کافی شدت اختیار کر گیا تھا کیوں کہ چائینہ نے انڈیا پر واضع کر دیا کہ وہ یہاں سے نکل جائے ساتھ یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اگر پاکستان اشارہ کرے تو سوڈان میں انڈین آرمی کی طرح کمشیر میں چائینہ کی آرمی بھی داخل ہو سکتی ہے! اور یہ ایک دن ضرور ہونا ہے۔ امریکہ سے تو ہم اخلاقی تعاون کی بھی امید نہیں کر سکتے کیوں کہ امیریکہ کا اندھا پن اس بات سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اسے دہشت گرد اور حریت پسند کا فرق ہی نہیں معلوم۔

یہ ہماری قوم کے مسلسل صبر کا پھل اور ہماری تمام تر آزمائشوں کا اچھا بہترین بدل ہے۔ اب جو بھی پاکستان اور چائینہ کی دوستی کے خلاف بات کرتا ہے وہ یقیناپاکستان کے روشن مستقبل کے خلاف بات کرتا ہے اور یہ بات آرمی نے تمام سیاسی کارکنوں کو اچھی طرح سے سمجھا دی ہے۔

!پاکستان زندہ بعد

اختلاف برائے اختلافات

تحریر: میاں وقارالاسلام

قران میں بہت سی ایسی قوموں کا ذکر ہے جو ایمان لانے کے بعد آپس میں اختلاف کر بیٹھیں اور فرقہ فرقہ ہو گئیں، کیوں وہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے تھے اور خدا پرستی کی بجائے انہوں نے اپنے اپنے کئی اور خدا بنا لیے اور گمراہ ہو گئیں۔ اختلاف برائے اختلاف کی ہدت اتنی زیادہ تھی کہ انہوں نے پیغمبروں اور نبیوں کی تکزیب کی انہیں جھٹلایا، انہیں ہر طرح سے تکلیف دی گئیوں کو تو قتل بھی کر دیا اس لیے کہ وہ انہیں کچھ نہ کہیں اور اپنی من مانی کرتے چلے ہیں۔ کئی امتوں پر عذاب در عذاب بھیجے گئے مگر انہوں نے اپنی خصلت نہ بدلنی تھی اور نہ بدلے یہاں تک کہ ذلت اور رسوائی ان سے چمٹا دی گئی۔

کیا ہم بھی اختلاف برائے اختلاف کی دوزخ میں نہیں جل رہے، کیا ہم نے بھی اپنے اپنے لیڈروں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی ہوئی، ہم شریعت کی بات بہت کرتے ہیں لیکن اپنے لیے اسے چھوڑے دیتے ہیں، ہمیں سب سے زیادہ مزہ دوسروں کا احاطہ کرنے میں آتا ہے ہم کبھی اپنا احتساب نہیں کرتے۔ ہم ہر چیز کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔ سالوں محکوم رہنے کے بعد جب ہم آزار تو ہوئے ہیں مگر شاید ذہنی تو پرا ابھی بھی ہمیں آزادی نہیں ملی، حکمرانوں یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں غاصبوں کا تسلط منتقل ہوا ہے اور عوام کو محکوم بنانا ان کا حق ہے، جو بھی آتا ہے وہ اپنے تمام اختار حاصل کر لیتا ہے مگر اختیارات اپنے سے نیچے اور عام عوام تک نہیں جانے دیتا کیوں کہ اس طرح تو عوام آزار ہو جائے گی۔

عوام میں اپنے لیول کا اختلاف برائے اختلاف پایا جاتا ہے، اور حکمران جماعتوں میں اپنے لیول کے مسائل نظر آتے ہیں۔ اداروں میں اپنے اپنے اختلافات الگ الگ ہیں۔

ہمیں حکم تھا کہ ہم ایک ہی رسی کو تھامے رکھیں مگر ہمیں ہر سطح پر تقسیم کر دیا گیا اور الگ الگ رسیاں پکڑا دی گئیں سو جس کے ہاتھ میں جو ہے وہ سمجھ رہا ہے کہ وہ سہی رستے پر ہے مگر کوئی بھی صحیح رستے پر نہیں ہے کیوں کے ہم ملک کو قومی نظری پر نہیں بلکہ پارٹی کے نظریے پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قوموں کی ترقی ایک طویل اور ان تھک سفر کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔ ترقی کے سفر کا تعین بہت ضروری ہے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو بھی آ ہے وہ ترقی کے سفر کو جاری رکھے۔ مگر ہمارے ہاں ہر سیاسی پارٹی کا سفر الگ الگ ہے، جو کام ایک پارٹی پانچ سال میں شروع کرتی ہے اگلی اُسے تبدیل کر دیتی اور اس سے اگلی اسے تبدیل کر دیتی ہے، پھر یہ منصوبوں کو اپنے پنے نام سے منسوب کرتے ہیں جو ان کی احمقانہ ترین سوچ کی عکاسی کرتی ہے جیسے کہ شہباز شریف لیپ ٹاپ سکیم یا پھر بے نظیر انکم سپورٹ فند، کیوں بھائی ان کے باپ کا پیسہ ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ یہ ہمیشہ کی حکومت چاہتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ان کی نسلیں حکمران رہیں۔

خدا کا واسطہ اس قوم کو آزاد کر دیں، نہ لوگوں کی زندگیاں جہنم بنایں نہ اپنے لیے جنم تیار کریں۔ اللہ نے آپ کو ملک کا سربراہ بنایا اور بار بار بنایا، اپنے لیے جنت تیار کریں اور لوگوں کو بھی جہنم کی زندگی سے نکالیں، ہر پارٹی گنواتی ہے کہ ہم نے یہ کیا ہم نے یہ کیا۔ ہماری عسکری طاقت کو دیکھ لیں جو ایک سمت میں چلی تو ہم دنیا کی اہم عسکری طاقت بن کر ابھرے۔ اگر ہم معاشی طور پر بھی ایک ہم آہنگ منصوبہ بندی پر کام کریں تو ہم ایک معاشی طاقت بن کر کیوں نہیں ابھر سکتے۔

ہمارے ہاں آج بھی کوئی سندھی کارڈ کھیلتا ہے، کوئی پنجابی کارڈ کھیلتا ہے اور کوئی سرائیکی یا پشتو کارڈ کھیلتا ہے۔ کیوں بھائی آپ کے ماموں کی سالگرہ ہے جو پاکستان کو اُس کی برتھ ڈے کے کیک کر طرح کاٹنا چاہتے ہو۔

رزق کے جو بھی وسائل ہیں وہ پاکستان کے ہیں اور اس پر ہر پاکستانی کا حق ہے چاہے وہ کسی بھی علاقے کا ہو یا کسی بھی عقیدے کا ہے وہ ہے تو پاکستانی۔

جیسے عسکری طاقت ہم سب کی طاقت ہے وقت پڑتا ہے تو یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس کے دفاع میں کم اور کس کے دفعہ میں زیادہ استعمال ہونی چاہیے۔ بلکہ یہ ہر پاکستانی کی دفاع اور حفاظت کے لیے ہے۔

اسی طرح معاشی وسائل پر بھی کسی خاص طبقے کی اجارہ داری کھلی ناانصافی اور ظلم ہے۔

اللہ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے، اور ہماری عوام کو شعور عطا کرے، امین

چھوٹے میاں بڑے میاں

تحریر: میاں وقارالاسلام

ہمارے ہاں ایک کلچر پایا جاتا چھوٹے میں خود کو بڑے میاں سمجھتے ہیں اور بڑے میاں اپنے بڑے ہونے کا ثبوت نہیں دیتے۔ پھر ہو تا یوں کہ نہ چھوٹے کی عزت بچتی اور نہ بڑوں کا بھرم بچتا دونوں ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ایک مچھلی منڈی کا ساماں بندھ جاتا ہے۔ وکیل کا سب سے بڑا دشمن وکیل، استاد کا سب سے بڑا دشمن استاد، جج کا سب سے بڑا دشمن جج، سیاست دان کا سب سے بڑا دشمن سیاست دان، شاعر کا سب سے بڑا دشمن شاعر اور ادیب کا سب سے بڑا دشمن خود ادیب، ڈاکٹر کا سب سے بڑا دشمن ڈاکٹر اور جرنلیسٹ کا سب سے بڑا دشمن جرنلیسٹ۔ یہ اگر کہیں اپنی کوئی یونین یا گروپ بھی بناتے ہیں تو بڑے میاں ایک طرف اور چھوٹے میاں ایک طرف اور دونوں طبقے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتے نظر آتے ہیں اور لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے۔ ان سب میں ایک بات یکساں پائی جاتی ہے کہ ایک تو سسٹم ٹھیک نہیں اور دوسرا کہ گورنمنٹ کچھ نہیں کرتی۔ کبھی کسی طبقے کا کسی بھی بات پر تسلی کا جواب موصول نہیں ہوتا۔

ہماری تربیت سکولوں سے کی جاتی ہے جہاں سینئر طلبہ نئے آنے والوں کا بے عزتی سے بھرپور ویلکم کرتے ہیں، مختلف ملازمتوں میں نئے ملازموں سے ہتک آمیز کام لیئے جاتے ہیں جس سے ان کی عزت نفس مر جائے اور پرانے ملازموں کی تسکین پوری ہو جائے کیوں کہ جب یہ میدان میں آئے تھے تو ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

اس کلچر کو ختم کرنے کے لیئے ریگولیشن کی ضرورت ہوتی ہے جس سے سیلف ریسپیک کو پروٹیکٹ کیا جاتا اور ہتک آمیز رویوں کو کرائم کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کچھ ملکوں میں اوے کہنا یا انگلی سے اشارہ کرنے کی بھی باقاعدہ سزا ہے۔ ہمارے بزرگوں سے ہمیں

کچھ مثالیں ملتی ہیں کہہ بچے ماں باپ کے برابر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ نیچے یا پاوں کی طرف بیٹھتے تھے لڑکوں کی نظریں نیچی ہوتی تھیں اور لڑکیوں میں بغیر دوپٹے کے سامنے آنے کا رواج نہیں۔ اساتذہ کی عزت بھی بڑے بزرگوں کی طرح کی جاتی تھی۔ پھر کیا ہوا بڑے میاں اور چھوٹے میاں سب نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔

اللہ فرماتا ہے کہ ایک جماعت دوستی جماعت کو برا نہ کہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے اچھی ہو۔ مگر ہم اپنے آپ کو اونچا ثابت کرنے کے لیئے دوسرے کو نیچا دیکھانا فرض سمجھتے سو سب کی عزت جاتی رہتی ہیں۔

ہمارے لیئے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ جب بیٹھے ہوتے تھے یا پیدل یا سوار آ رہے ہوتے تھے تو فرق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ مالک کون نوکر کون۔ مقام دل میں اتنا کہ ایک دوسرے پہ جان چھڑکی جائے۔ پیٹھ پیچھے بھی کسی کی بے عزتی کرنے کی مثال نہیں مگر اب تو منہ پر بے عزتی کر دی جائے تو سر فخر سے تن جاتا ہے کہ بازی مار لی گئی۔ بڑے میاں اور چھوٹے میاں جب تک آپس میں ایک دوسرے کی حرمت کا تعین نہیں کریں گے رسوائی پوری جماعت پر ہر طرف سے حملے کرتی رہے گی۔

عزت کروانے کے لیے عزت دینی پڑتی ہے اور بڑوں کے عزت کیے بغیر جو مقام ملتے ہیں وہ بھی کھوکھلے ہوتے ہیں۔ اللہ ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنے اور ایک دوسرے کا بھرم قائم رکھنے کی توفیق دے آمین

انسان باکمال خالق کی باکمال تخلیق

تحریر: میاں وقارالاسلام

میں نے برے سے برے انسان میں بھی کئی اچھائیاں دیکھی ہیں جو سطحی طور پر نظر نہیں آتیں اور میں نے اچھے سے اچھے انسان میں بھی برائیاں دیکھی ہیں جو سطحی طور پر نمائیاں نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر بندے کو انمول بنایا ہے انسان اپنی محدود کمال آنکھوں سے اللہ کے بنائے ہے باکمال انسان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ انسان تو اپنے کمال کا احاطہ نہیں کر سکتا تو دوسروں کے کمال کا احاطہ کیسے کرے گا۔

پوری دنیا کے انسان مل کر بھی ایک انسان کا احاطہ نہیں کر پائے انسان کے جسم کے ایک ایک پور پر تحقیق جاری ہے اور روز روز ان کے کمالات سامنے آتے رہتے ہیں۔

اتنے نایاب حضرتِ انسان کو ہم بے وقعت و بے حرمت کیسے کر دیتے ہیں، انسان کے پورے وجود میں جو اس کا دل ہے اس کی اہمیت مرکزی ہے، دل کو وہ کمال حاصل ہے کہ وہ جسم کے جس حصے تک خون کی سپلائی بند کر دے وہ حصہ مردہ ہو جاتا ہے۔

اتنا طاقتور دل جس کے بھروسے پر انسان پوری زندگی گزار دیتا ہے، اس کی حقیقت دیکھی جائے تو اس کا ٹوٹنا ایک معمولی سے لمحے کی بات ہے، ایک چھوٹا سا جھٹکا اور بس اس کی ساری طاقت ختم

ہر دل اللہ کے حکم سے ڈھرکتا ہے، جس دن حکم ختم اس دن دل کی دھڑکن بند۔

ہمارے لہجے اور رویے دلوں کی رفتار کو بدل دیتے ہیں، اور ہماری وجہ سے اللہ کی ایک باکمال تخلیق لرزش میں آجاتی ہے۔

اور ہماری زبان کو یہ کمال حاصل ہے کہ ہم میٹھے بول سے مردوہ دلوں کو زندہ کرسکتے ہیں اور زندہ دلوں کو مردہ بھی کرسکتے ہیں۔

خدا کرے کہ ہمارا معاشرہ محبتوں کا معاشرہ بنے جہاں ایک دل سے دوسرے دل تک محبت کا راستہ تو جاتا ہے، مگر نفرت کا نہیں

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں

تحریر: میاں وقارالاسلام

زندگی میں کبھی کبھی ایسے موڑ آتے ہیں کہ انسان چاروں طرف سے پریشانیوں کا شکار ہو جاتا، یہاں تک کہ جن پر اس کا سالوں کامان اور بھروسہ ہوتا ہے وہ بھی کمزور پڑ جاتا ہے، انسان سمجھتا ہے کہ اسے بہت بڑی مشکل میں ڈال دیا گیا ہے، یہاں تک کہ لوگ بھی کہنے لگتے ہیں کہ یہ تھا ہی ایسا جیسا اس کے ساتھ ہو رہا ہے، لوگوں کی تکلیف دہ باتیں درد کے احساس کو کئی گناہ کر دیتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اللہ اپنے بندے کو سمجھانا چاہتا ہے کہ دیکھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے سوا تیرا کوئی بھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایسی حالت میں جو دعائیں اور معافی کے کلمات دل سے نکلتے ہیں ان کی لفاظی رب کی طرف سے آتی ہے اور دامن میں جو موتی گرتے ہیں وہ جنت سے آتے ہیں۔

انسان کی انتہائی بیزاری کی حالت اسے کس قدر مالا مال کر جاتی ہے اس کا وہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتا، بدقسمت وہ نہیں جو اس بیزاری کی کیفیت سے گذرتے ہیں بلکہ بدقسمت وہ ہیں جنہیں اللہ نے زندگی میں خود کو اچھی طرح سے بخشوانے کا موقع فراہم نہیں کیا۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور مشکل کے ساتھ ہی تو آسانی ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے یا رسول اللہ ان سے کہہ دیجیئے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تو سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، سو ان سے کہہ دیجیے کہ قران پڑھا کریں تا کہ ان پر رحم کیا جائے۔ پھر اللہ یہ بھی فرماتا ہے کہ جو تم دیکھتے ہو کہ تمارے حق میں بہتر نہیں ہے ہو سکتا ہے وہ دنیا اور آخرت کے حساب سے تمہارے حق میں بہتر ہو، اور جو تم سمجھتے ہو تمہارے حق میں بہتر ہے ہو سکتا ہے وہ دنیا اور آخرت کے حساب سے تمارے حق میں بہتر نہ ہو۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اللہ ہی بہتر جانتا کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے اور کیا نہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کو کبھی اکیلا نہیں کرتا۔

ہمت ہے تو اب مارو

تحریر: میاں وقار الاسلام

ایک صاحب کو چند لوگ گھیر لیتے ہیں اور کسی وجہ سے اس کی خوب پٹائی کرتے ہیں، جب مار مار کے تھک جاتے ہیں تو وہ صاحب بڑی مشکل سے کھڑے ہو کر کہتے ہیں ہمت ہے تو اکیلے اکیلے مارو، اور پھر سب لوگ اسے اکیلے اکیلے مارتے ہیں۔

مسلمانوں کی حالت اس سے بلکل بھی مختلف نہیں، مسلمانوں کے بڑے بڑے ممالک کو مار مار کر چھوٹا کیا گیا، پھر جس جس ملک نے تھوڑی تھوڑی ہمت دیکھائی اسے پھر اکیلے اکیلے بھی مار پڑتی رہی ہے یا پڑ رہی ہے، کسی کو دفاعی طور پر مار پڑ رہی ہے، کسی کو معاشی طور پر، کسی کو خارجی سطح پر تو کسی کو داخلی سطح پر، کسی کے بیرونی مسائل بڑھائے جا رہے ہیں تو کسی ہے اندرونی، کسی کی آبادی مارا، کاٹا اور دھکیلا جا رہا ہے تو کسی ہے علاقوں پر قبضے کئے جا رہے ہیں۔

جو ممالک محفوظ ہیں وہ بھی غیر محفوظ ہونے کے ڈر سے زندگی گزار رہے ہیں کہ کہیں یہ مصیبت ان پر نہ آجائے۔

میں اکثر کہتا ہوں کہ جس چیز کا ڈر پیدا ہو جائے وہ ہو کر رہتی ہے، جن ملکوں کو اپنے برے حالات کا خوف تھا آج وہ برے حالات سے گزر رہے ہیں۔ اور جن کو خوف ہے ان کا نمبر بھی دور نہیں۔

خواب غفلت میں سونے اور جیتے جی مر جانے میں کوئی فرق نہیں۔

مسلمانوں کو تو خدا کے سوا کسی چیز کا ڈر نہیں ہو تا پھر یہ کس سے ڈرتے یا ڈرائے جاتے ہیں۔ قران میں غزوات کے حوالے سے بہت کچھ بتایا گیا ہے خاص کر کہ یہ کے جب تمہارا رعب ختم ہو تا ہے تو تمہاری ہوا اکھیڑ دی جاتی ہے۔۔۔ یا پھر یہ کہ اپنے گھوڑے تیار رکھے اللہ جلد ہی دشمنوں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دے گا۔ ہمارا رعب تو رہا نہیں الٹا ہوا اکھیڑ دی گئی ہے۔

اس کی وجہ ہماری اپنی جمعیت میں نا اتفاقی، اللہ پر بے یقینی اور کافروں کا رعب بڑی وجہ ہے۔ مسلمانوں نے باجماعت ہو کر کون سے بین القوامی فیصلے کئے ہیں کہ ان کا کسی کو ڈر بھی ہو۔ جو جہاں سے چاہتا ہے امت کو نقصان پہنچاتا چلا جاتا ہے۔

مسلمان اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ اگر کافروں کے پراڈکٹس کا ہی بائیکاٹ کر دیں تو دنوں میں ان کی بڑی بڑی کمپنیوں کے قد آدھے رہ جائیں۔ مگر یہ اتنے اتنے معمولی فیصلے لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں الٹا نہیں پر ائے دن سینکشنز پر سینکشنز لگتی رہتی ہیں۔

ہر وقت رحم اور مدد کی بھیک مانگنے والی جماعت کبھی آنکھیں بھی دیکھا پائے گی، ایسا بالکل نہیں لگتا، کیوں کہ جب دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں کا قتل عام ہو تا ہے تب بھی آواز نہیں اٹھتی، مسلم ممالک کو توڑا جاتا ہے تب بھی کوئی بات نہیں ہوتی مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کر لیا جاتا ہے تب بھی بات نہیں کی جاتی۔

بہت سے ملکوں میں مسلمانوں نے اپنے ہی ملکوں پر قبضہ کیا ہوا ہے اور کفار کو ہر ممکن مدد فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنے ہی ملکوں میں پالیسیز غیر ملکی چلتی آ رہی ہیں۔

مسلم ممالک کو ڈر ہے کہ ان کی اکانومی تباہ نہ ہو جائے اور کافروں کو ڈر ہے کہ مسلمان اکٹھے ہو کر ان کی اکانومی تباہ نہ کر دیں۔

ہماری تقسیم نے کافروں کو اکھٹا کر رکھا ہے جب کہ اللہ تعالی کہتا ہے تم سمجھتے ہو یہ آپس میں ایک ہیں حالانکہ ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔

برما کے مسلمانوں کے لئے

بچالے ان کو اب امتحاں سے

خدا کو ڈھونڈ کر لائیں کہاں سے

ابابیلیں اترتی کیوں نہیں ہیں

مٹائیں دشمنوں کو اس جہاں سے

کہیں خالد سا پھر ہو کوئی پیدا

کوئی عیسی ہی آئے آسماں سے

پرندے آگ وخوں سے خوف کھا کر

اٹھالائے ہیں تنکے آشیاں سے

تو سن لے گریہ اب شہناز کا بھی

لرزتا عرش ہے آہ وفغاں سے

شہناز مزمل

ہمت ہے تو اب مارو۔۔۔ مگر ہم غور نہیں کرتے۔

بنیادیں

تحریر: میاں وقارالاسلام

کسی بھی عمارت کو کھڑا کرنے سے پہلے اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا جاتا ہے تا کہ اس پر ایک بڑی عمارت کھڑی ہو سکے۔ اگر بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہوں تو اس پر کچھ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ آج ہمیں ہر ادارے اور محکمے میں بڑے بڑے مسائل نظر آتے ہیں جن کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بنیادیں مضبوط نہیں۔

صحافت کی بنیاد انفارمیشن پھیلانا ہے مگر صحافت ہمیں سوائے ڈس انفارمیشن کے اور کچھ کچھ پھیلاتے نظر نہیں آتی، غیر حتمی ذرائع سے پورا ہفتہ چلنے والی خبر حتمی نہیں نکلتی تو پھر ایک ہفتہ عوام کا سر کھانے والے میڈیا کا سر کھولنا بنتا ہے یا نہیں۔

سیاست کی بنیاد یہ ہے کہ ہر محکمے قانون اور ضوابط کو ریگولیٹ کیا جائے تا کہ کرپشن میں کمی مرحلہ وار چلتی رہے اور ان اقدامات کا مقصد کرپشن کا خاتمہ ہی ہونا چاہئے۔ مگر سیاسی ترقی کے ساتھ ساتھ اگر کرپشن بھی بڑھتی جائے اور ار ریگولیریٹز بھی تو پھر ایسی سیاست کو کیا کہنا چاہئے۔ ظاہر ہے اگر بنیاد ہی ٹھیک نہیں تو عمارت کبھی سیدھی کھڑی نہیں ہو گی۔

اسلام: اسلام کی بنیاد سلامتی ہے کہ قوم کو جوڑا جائے، باہمی اختلافات کو کم کیا جائے اور غیر مسلموں کے حقوق کا بھی تحفظ کیا جائے۔ اول تو عام عوام کو اسلام کا سرے سے پتا ہی نہیں اور باقی کسر مذہبی پیشوا پوری کر دیتے ہیں۔ جس کا جو دل کرتا ہے اپنا اسلام لے کر آ جاتا ہے اور ایک نئی تقسیم شروع ہو جاتی ہے۔ اسلام میں اول تو تمام اختلافات پیدا کیئے گئے ہیں یہ اختلافات

اسلام کے نہیں بلکہ اسلام کا روز نیا ترجمہ کرنے والے جاہل عالموں کے ہیں جن کی بنیاد ہی ٹھیک نہیں کہ اسلام کا مطلب اکٹھا کرنا ہے تقسیم کرنا نہیں۔ ہم نے اسلامی بنیاد کو مضبوط نہیں کیا اس لیئے ہمیں مذہبی مسائل کا سامنا ہر آئے دن رہتا ہے۔

مارشل لاء: جمہوریہ پاکستان ہمارے ملک کی بنیاد ہے اور عسکری اداروں کا مقصد ملک کو مضبوط کرنا اور طاقت دینا ہے نہ کہ خود اس پر قابض ہونا، جمہوریت کمزور ہے تو اس کی بنیادیں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ عسکری بنیادوں کو توڑ کر جمہوری بنیادوں پر بیٹھ جانا۔ اگر ہسپتال ٹھیک نہیں چل رہا تو اسے عدالتوں کے حوالے کر دیا جائے یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ ہر ادارے کی اپنی حرمت ہے اور ہر ادارہ اپنے اپنے دائرے میں کام کرتا اچھا لگتا ہے اور اسی میں ان کے سربراہوں کی عزت اور تکریم ہے۔

عدلیہ: عدالتوں کا کام عدل پر گٹھ جوڑ کرنا ہر گز نہیں کہ جس کا دباؤ زیادہ فیصلہ اسی کے حق میں۔ یہ انصاف کی موت ہے جو ہمیشہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایسے فیصلے جن کی قانونی ہیبت قائم نہ کی جا سکے ان کا کوئی فائیدہ نہیں۔ زمینوں کے فیصلے اکثر مظلوم کے حق میں آجاتے ہیں مگر قبضہ عدالتیں نہیں چھڑواتیں۔ ایسے فیصلے نے مظلوم کا ساتھ دیا یا ظالم کا۔ کہتے ہیں اگر آپ کی لڑائی ہو جائے تو مخالف کو تسلی سے پیٹو۔۔۔ بعد میں عدالت میں تو صلاح ہی ہونی ہے۔ کرپشن اسی لیئے کم نہیں ہوتی کیوں کہ لوگوں کو پتا ہے زیادہ سے زیادہ نوکری جائے گی یا حکومت کیوں کہ عدالتوں کی کپیسٹی ہی نہیں کہ چوری برآمد کروا سکے پھر ایسے معذور فیصلے اپنی وقعت کیا رکھیں گے اور اپنی ہیبت کیا قائم رکھیں گے۔

ہر سطح پر ہمیں اپنی بنیادیں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، سٹرکچرز جتنے بھی بڑے ہوں بغیر مضبوط بنیادوں کے گر جاتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کے اندازے مقرر کئے۔ یہ کائینات انہیں اندازوں پر کھڑی ہے۔ اور اللہ کیا ہی اندازے مقرر کرنے والا ہے۔ ملک کو چلانے کے لیئے بھی کچھ باہمی اصول وضوابط کی ضرورت ہوتی ہے جن پر عمل درامد ہر فرد پر لازم ہوتا ہے۔ ورنہ لا قانونیت کا قانون ہی رہ جاتا ہے۔ اللہ ہماری ہر سطح پر رہنمائی کرے آمین

چمن میں پھول بھی ہیں

ستمبر 6 یومِ دفاعِ پاکستان

تحریر: میاں وقارالاسلام

مانا کہ ہمارے ملک میں ہر سطح پر غلطیاں اور کوہتایاں ہوتی چلی آئی ہیں، خواہ وہ مذہبی غلطیاں ہوں، سماجی ہوں، سیاسی ہوں، عسکری ہوں، انفرادی ہوں یا اجتماعی ہوں مگر ہمیں صرف غلطیاں ہی دکھائی جاتی ہیں ہمیں صرف کانٹے ہی دکھائے جاتے ہیں مگر بہت سے ایسے کام بھی اللہ تعالی نے اسی ملک کے نصیب میں لکھے ہیں جن کی وجہ سے پاکستان پوری دنیا میں ایک خاص اہمیت اور طاقت سے ساتھ ابھرا ہے، ہم بہت کچھ حاصل نہیں کر سکے مگر پھر بھی اللہ نے ہمیں جو کچھ دیا ہے وہ بہت سارے ملکوں کے نصیب میں نہیں آیا، اور بہت سی چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے صبر کی وجہ سے بھی عطا کی ہیں جن کے لیے ہمیں بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ ہر چمن میں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور پھول بھی، صرف کانٹوں کی وجہ سے چمن پر انگلیاں اُٹھائے جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جب کہ اگر پھولوں کی تعداد کو دیکھا جائے تو سلوٹ مارنے کو دل کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالی نے گلشنِ پاکستان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہی ہماری دھرتی کو نرم بھی کیا ہے اور زرخیز بھی اس پر بارش بھی برسائی ہے دھوپ بھی بکھیری ہے اور ترقی کا مناسب موسم بھی عطا کیا ہے، بہار دور نہیں گلوں کے کھلنے کا موسم بہت قریب ہے۔

شکریہ ربِ کریم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شکریہ پاکستان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شکریہ گلشنِ پاکستان

کسی پر اپنے دروازے بند نہ کریں

تحریر: میاں وقارالاسلام

تاریخ گواہ ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا، تو با آسانی اپنے جانی دشمنوں اور بدترین حریفوں سے بدلہ لیا جا سکتا تھا، مگر رحمت العالمین نے اپنی انسان دوستی کے دروازے ان پر بھی بند نہیں کئے اور بدلے کے دن کو عام معافی کے دن میں تبدیل کر دیا۔ ہم کیسے مسلمان ہیں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دل میں کشادگی پیدا نہیں کرتے۔ معمولی باتوں پر فاصلے بڑھاتے ہیں اور پھر فاصلوں کو کبھی کم نہیں کرتے۔ ایک طرف مکہ کے بدترین دشمن تھے دوسری طرف ہماری عزیز ترین ہستی تھی جنہوں نے ہمیں عام معافی کا درس دیا اور بہترین تاریخ رقم کی تا کہ ہم ان کے بتائے ہوئے روشن رستوں پر چل سکیں، پھر ہم کیوں اندھیروں کی چل پڑتے ہیں، کیا انسان دوستی اور عام معافی بہترین سنت نہیں ہے، یہ سنت تو غیر مسلموں اور اسلام کے بدترین دشمنوں پر بھی لاگو کی گئی تو کیا ہم اپنے مسلم بھائیوں کے لیے بغض رکھیں گے، کیا یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں۔

سنتِ نبوی تو اسلامی دشمنی میں ابھی انا کو درمیان نہیں لائی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم معمولی اختلافات میں اپنی انا کو تقویت دیتے چلے جاتے ہیں۔

ہم رحمت العالمین کے پیروکار ہیں ہمیں اپنے دشمنوں کے لیے بھی رحمت کے دروازے کھولنے ہیں، ہم اپنے دوستوں پر رحمت کے دروازے کیسے بند کر سکتے ہیں۔

ہمارا اکثر یہ عذر ہوتا ہے کہ فلاں صاحب تو انتہائی فضول ہیں، سیلف سینٹرڈ ہیں اور مطلب پرست ہیں، مگر فتح مکہ میں جن کو عام معافی دی گئی ان کے احوال کی سنگینی ہمارے روزمرہ کے اختلافات سے کہیں گہری تھی مگر بڑھے پن کا مظاہرہ کیا گیا

-----------۔ہم چھوٹے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خود کو بڑا سمجھتے ہیں۔------------------------

ہماری غرور اور تکبر حقیقت میں ہمارا چھوٹاپن ہوتا ہے اور ہماری عاجزی اور انکساری ہمارا بڑاپن ہوتی ہے۔

یا اللہ ہمارے دلوں میں جو مرض ہیں ان کا علاج عطا فرما، تو ہی ہمیں اندھیروں سے روشنوں طرف لاتا ہے

-----------۔ہماری رہنمائی فرما۔---------۔ہمیں ہدائیت دے۔-----۔امین

ہماری توقعات ہمیں مایوس کرتی ہیں

تحریر: میاں وقارالاسلام

ہم اکثر اپنی توقعات پر پورا نہیں اُترتے مگر ہم یہ توقع ضرور کرتے ہیں کہ ہمارے قریبی دوست یار شتہ دار ہماری توقعات پر پورا اتریں، بہترین دوست اور رشتہ دار اس وجہ سے جدا ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان کی آپ میں توقعات پوری نہیں ہوتیں۔ مدد اللہ کی طرف سے ہوتی ہے بہت دفعہ تو ہم اپنی مدد خود نہیں کر سکتے تو پھر دوسروں پر اس کا بوجھ کیوں۔ توقعات کا رجوع اگر اللہ کر طرف رکھا جائے تو انسان کبھی مایوس نہیں ہوتا، جب ہم اپنی توقعات بڑھاتے ہیں تو اپنے دوستوں میں کمی کرتے جاتے ہیں اپنے اختلافات کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں، اور جب ہم اپنی توقعات کو کم کرتے ہیں تو ہمارے دوست بھی بڑھتے ہیں اور ہمارے اختلافات بھی کم ہوتے ہیں۔

ہم ایسی دنیا کے باسی ہیں جہاں لوگ اپنے آپ کو رب کے لیے نہیں بدل سکتے، تو ہم کیا توقع کرتے ہیں کہ کوئی ہمارے لیے خود کو بدلے، جب کہ ہم خود کو کسی کے لیے بدلنے سے معذور ہیں۔ تبدیلی اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ ہماری ذاتی خواہشات کے مطابق۔

جو لوگ تعریف پسند کرتے ہیں ان کے پاس صرف خوشامدی دوست ہی بچتے ہیں اور آپ کبھی بھی اپنی خامیوں کا سامنا نہیں کر پاتے، آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ صحیح ہیں اور آپ سے اختلافات رکھنے والے سب لوگ غلط ہیں۔ جب خوشامدی ٹولا آپ کو پھنسوا دیتا ہے تو سب سے پہلے بھاگنے والے بھی وہی ہوتے ہیں۔ جس طرح سے آپ تعریف کو جگہ دیتے ہیں اسی طرح کھولے دل سے تنقید کو بھی جگہ دیں تاکہ آپ کی شخصیت کا توازن بہتر ہو سکے۔

کچھ لوگ تو پیدا ہی تنقید کے لیے ہوتے ہیں، جس طرح تعریف کرنا خوشامد کی بیماری میں بدل سکتا ہے اسی طرح ضرورت سے زیادہ تنقید بھی ایک منفی سوچ کو جنم دیتی ہے اور آپ متنازعہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ صحت مندانہ تعریف اور صحت مندانہ تنقید دونوں اپنی اپنی حدود میں رہیں تو آپ کی شخصیت کی تشکیل و تکمیل ہوتی ہے اور ان میں سے دونوں اگر حد سے تجاوز کر جائیں تو شخصیت پر برے اثرات چھوڑتی ہیں۔

ہمیں کچھ لوگوں سے ہمیشہ تعریف کی توقع رہتی ہے اور کچھ لوگوں سے ہمیشہ تنقید کی توقع رہتی ہے کیوں کہ کچھ لوگوں کو تعریف میں کمال حاصل ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کو تنقید میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ تعریف ضرور کریں مگر جہاں تنقید کر ضرورت ہو وہاں تنقید بھی کریں، اور جہاں تنقید کریں وہاں تعریف کرنے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی کنجوسی کا مظاہرہ نہ کریں۔

تنقید اور تعریف دونوں کو دشمنی کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، لازمی نہیں جو اپ پر تنقید کر رہا ہو وہ آپ کا دشمن ہی ہو اور یہ بھی لازمی نہیں کہ جو آپ کی تعریف کر رہا ہو وہ آپ کا خیر خواہ ہی ہو۔

لوگ آپ کو طرح طرح سے دیکھتے ہیں اور آپ لوگوں کو طرح طرح سے دیکھتے ہیں بعض دفعہ آپ جس بات پر تنقید کرتے ہیں دوسرے لوگ اس پر تعریف کرتے ہیں اور بعض دفعہ اپ جس پر تعریف کرتے ہیں لوگ اس پر تنقید کرتے ہیں یہاں آتی ہے اختلافِ رائے۔ جیسے ہم اختلافِ رائے رکھتے ہیں ویسے دوسرے بھی اختلافِ رائے رکھ سکتے ہیں۔ اور رائے وقت کے ساتھ تبدیل بھی ہو جایا کرتی ہے۔ مگر ہم معملات کو وقت نہیں دیتے اور فوری فیصلہ لے لیتے ہیں۔

اختلافات کے ذہر کو اگر وقت کے پانی میں گھلنے دیا جائے تو ایک ایسا وقت ضرور آتا ہے جب اختلافات کا ذہر اپنا اثر کھو بیٹھتا ہے، اگر اختلافات کا مزہ اسی وقت چکھ لیا جائے تو طویل دشمنیوں میں بھی بدل سکتا ہے۔ اسے کہتے ہیں صبر جو اختلافات کے کڑوے پھل کو بھی شہد جیسا میٹھا بنا سکتا ہے۔

گھوڑے کی تربیت نہ کی جائے تو وہ اپنے اوپر کسی کو بیٹھنے نہیں دیا، اسی طرح لوگ شروع شروع میں اختلافات کر برداشت کرنے کا مادہ کم رکھتے ہیں مگر حالات و واقعات کی ضربیں کھا کھا کر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ برداشت کی مثال بن جاتے ہیں۔ اپنی برداشت کو بڑھائیں اور لوگوں کو وقت دیں کہ ان میں بھی برداشت کا مادہ وقت کے ساتھ زیادہ ہو سکے پھر وہ آپ کی مشکل باتیں بھی سمجھ پائیں گے۔

جیسے ہمیں لوگوں سے توقعات ہوتی ہیں ایسے ہی لوگوں کو بھی ہم سے توقعات ہوتی ہیں کہیں کوئی ہماری توقعات پر پورا نہیں اتر رہا تو کہیں ہم بھی کسی کی توقعات پر پورا نہیں اتر رہے لوگ پھر بھی ہم سے دوستی رکھتے ہیں، ہمیں پھر بھی لوگوں سے دوستی رکھنی چاہیے۔ توقعات کا رجوع اللہ کی طرف ہو تو دوستیاں اور رشتے زیادہ لمبے چلتے ہیں

خود سے بھی لمبی لمبی توقعات نہ رکھیں، مختصر سی زندگی ہے اسے زیادہ بوجھل نہ کریں۔ خوش رہیں۔--------------- خوشیاں بانٹیں۔-------------

خوشیوں کا ہر طرف قحط ہے۔۔۔ اللہ کرے آپ ہر دن عید کی نوید لے کر آئے، امین

جیسا ہم چاہتے ہیں ویسا کیوں نہیں ہوتا؟

تحریر: میاں وقار الاسلام

جیسا ہم چاہیتے ہیں اگر سب ویسا ہونے لگ جائے تو دنیا جنت نہ بن جائے، اللہ فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سب کو نیک کر دیتے، پھر یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں، اور پھر یہ بھی کہ یہ دنیا ہم نے کھیل تماشے کے لیے نہیں بنائی یہ اس لیے کہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ ماریں اور وہ اس کا سر توڑ دے اور پھر یہ بھی کہ تمہیں تمہارے حق میں بہتر معلوم ہوتا ہے ہو سکتا ہے دنیا اور آخرت کے لحاظ سے تمہارے حق میں بہتر نہ ہو، اور پھر یہ بھی کہ جو تم دیکھتے ہو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہے ہو سکتا ہے دنیا اور آخرت کے لحاظ سے تمارے حق میں بہتر ہو۔

مجھے نہیں معلوم کہ جب چیزیں ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوتیں تو ہم ناامید اور مایوس کیوں ہو جاتے ہیں، جب کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اللہ کیا ہی زبردست احاطہ کرنے والا ہے، اللہ فرماتا ہے کہ اگر میں تم میں فاصلہ نہ رکھتا رہتا تو قرہ عرض تباہ ہو جاتا، پھر یہ بھی فرماتا ہے کہ میں ہی سیاروں کو تھامے رکھتا ہوں، بادلوں کو چلاتا ہوں اور زمین مردہ کی طرف بھیج دیتا ہوں، میں ہی ہواوں کو چلاتا ہوں جو خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور ان سارے کاموں میں میرا کوئی شریک بھی نہیں، یہ سب اللہ کی تنہا ذات کرتی آ رہی ہے اور کرتی رہے گی۔

پھر اللہ فرماتا ہے کہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور مشکل کے ساتھ ہی تو آسانی ہے، سو جس کو اللہ تعالی نے آزمائش میں ڈالا اور اس نے اس پر صبر اور شکر کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ اللہ نے اس کا مقام بلند نہ کیا ہو۔ اللہ اس طرح سے مردہ قوموں کو زندہ کیا کرتا ہے کمزور دلوں کو مضبوط کیا کرتا ہے اور آزماتا بھی ہے کہ کس کا دل رجوع لانے والا ہے اور کس کا دل انکار کیے دیتا ہے۔

اللہ کی ذات کے وجود پر ایمان لاتے ہوئے نا امیدی کی نحوست پر بھی یقین رکھنا اللہ کی طاقت اور رحمت سے منکر ہونا ہی تو ہے، اللہ کی رحمت ہر وقت ہر بندے پر برس رہی ہے مگر ہم بہت جلد نا امید ہو جاتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے کہ جب ہم اپنے بندے کو اس طرح سے آزماتے ہیں کہ اسے اپنی نعمتوں سے نوازتے جاتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتا ہے اور جب دوسری طرح سے آزماتے ہیں کہ اس سے کچھ واپس لے لیتے ہیں تو وہ نا امید ہو جاتا ہے۔

پاکستان لاشوں کے ڈھیر پر بنا تھا، جن لوگوں نے مصیبتیں اُٹھائیں اور اپنے گھر چھوڑے، اپنا مال چھوڑا، اپنی زمینں چھوڑیں، اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا اور پاکستان کا حصہ بنے جن میں بہت سے شہید بھی ہو گئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے بہت سوں نے اپنے خون کے رشتے گنوا دیے مگر پاکستان کا حصہ بن کر رہے۔ انہیں اللہ کی اس بڑی نعمت کا یقین تھا اسی لیے انہوں نے پاکستان کی بنیادیں اپنے خون سے مضبوط کیں اور ہمیں اپنے ملک کی چار دیواری عطا کی اور چھت بھی فراہم کی۔ آج ہم کتنی آسانی سے اس بڑی نعمت کی ناشکرانی کر دیتے ہیں حالانکہ ہم نے اس کے لیے کسی قسم کی قربانی نہیں دی۔

یہ ملک آج بھی اپنے چاروں اطراف قربانیاں مانگ رہا ہے، شہیدوں کے لہو سے ہماری روز حفاظت کی جاتی ہے، کیا ہمیں اللہ کا شکر ادا نہیں کرنا چاہیے جس نے ہمیں اتنا مظبوط کیا کہ ہم خود سے پانچ گناہ بڑی طاقت کے سامنے پوری عزت اور وقار سے کھڑے ہیں، اگر زخمی ہم ہوتے ہیں تو زخمی وہ بھی ہوتے ہیں، اگر نقصان ہم اُٹھاتے ہیں تو نقصان وہ بھی اُٹھاتے ہیں مگر اللہ نے ہر موقع پر ہماری حفاظت فرمائی ہے تو کیا ہمیں شکر ادا نہیں کرنا چاہیے۔

محل وقوع کے لحاظ سے پاکستان دنیا کی جتنی اہم ترین جگہ پر واقع ہے اتنی ہی مشکل ترین جگہ پر بھی واقع ہے، دنیا کی 30 فیصد آبادی ایسی ہے جو دنیا کا 70 فیصد کماتی ہے اور دنیا کی 70 فیصد آبادی ایسی ہے جو دنیا کا 30 فیصد کماتی ہے اور یہ 70 فیصد آبادی

چائنا کے ساتھ منسلک ہو رہی ہے جن میں 60 سے زیادہ ممالک شامل ہیں۔ چائنا اگلے دو سو سال تک ان علاقوں میں 4 سے 8 ٹریلین ڈالر کی سرمایا کاری کی منصوبہ بندی رکھتا ہے چائنا کا ون بیلٹ اکنامک روڈ منصوبہ اس وقت دنیا کا سب کے بڑا ترقیاتی منصوبہ ہے جو 70 فیصد دنیا کو آپس میں جوڑے دے گا یہ تقریبا 7700 کلو میٹر بنتا ہے جو گوادر سے یورپ تک جائے گا۔ دنیا کے 70 فیصد گیس اور تیل کے وسائل انہیں ملکوں میں ہیں جنہیں چائنا ایکسپلور کر رہا ہے۔ اور دنیا کی 70 فیصد دہشت گردی بھی انہیں علاقوں میں ہے اور اس کی وجہ سب کو سمجھ آجانی چاہیے

!

دنیا جسے وار آن ٹیرر کے نام سے جانتی ہے وہ بنیادی طور پر وار آن آئل اینڈ گیس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جس میں امریکہ کے جیتنے کے آثار مکمل طور پر ختم ہو چکے ہیں بلکہ سو کالڈ امریکی سپر پاور کا سر اس میں پھنس چکا ہے اب وہ ہاتھ چلاتا ہے تو ہاتھ زخمی کروا بیٹھتا ہے اور پاوں چلاتا ہے تو پاوں زخمی کروا بیٹھتا ہے۔

گذشتہ دنوں بل گیٹس جو کہ مائکروسافٹ کا مالک اور دنیا کا امیر ترین شخص ہے اس نے امریکی نیشنل ہونے کے باوجود بیان دیا کہ چائنا دنیا کا واحد ملک ہے جس سے دنیا کی امیدیں وابستہ ہیں۔ اس نے مزید کہا کے گذشتہ 20 سالوں سے امریکہ نے انٹرنیشنلی کوئی بھی ڈپلومیٹک وکٹری نہیں لی۔ اس نے مذید کہا کہ دنیا میں وسیع پیاپنے پر روزگار کے نئے مواقع صرف اور صرف چائنا فراہم کر رہا ہے اور امریکہ بتدریج روزگار کے مواقع کم کر رہا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ گلوبل وارمنگ کو کم کرنے کے لیے رینیوابیل انرجی میں دنیا میں سب سے بڑا کردار چائنا ادا کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بہت کچھ۔

امریکہ کے ساتھ چلنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم فیل سٹیٹ کے سٹیٹس تک پہنچ گئے، چایئنا کے ساتھ چلنے سے ہم نہ صرف عسکری اور دفاعی لحاظ سے مضبوط ہوئے بلکہ معاشی تو پر بھی دنیا کے سب سے بڑے معاشی پراجیکٹ سی پیک اور چائنہ ون بیلٹ اکنامک پراجیکٹ کا حصہ بھی ہیں

اس پراجیکٹ کی ملکی سطح پر خوبصورتی یہ ہے کہ پاکستانی کی ساری سیاسی جماعتیں، بیوروکریسی اور فوج ایک پیج پر ہیں اور اس پراجیکٹ کی سیگنیٹری ہیں، ان کے آپس میں جتنے بھی اختلافات ہوں یہ سی پیک مخالف بیان نہیں دے سکتے اور پچھلے 7 سے 8 سالوں میں ایک بھی سی پیک سے متعلقہ اختلافی سیاسی بیان نہیں آیا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ میں دوسرے سے زیادہ سی پیک کو جانتا ہوں اور بس۔

اللہ کی ذات ہماری بے شمار کوہتائیوں کو باوجود ہم پر بہت مہربان ہے، ہمیں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، یقینا دنیا کی اس بدلتی ہوئی صورتِ حال میں ہمیں کہاں فٹ ہونا ہے ہمیں اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا، یہ جو راہیں ہموار ہوتی چلی جاتی ہیں اس کے پیچھے اللہ کے راز ہیں تو ہمیں اپنے دو چھٹانگ کے ذہن پر اس کے وزن سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے!

شکر اللہ

عوام سے زیادہ باشعور کوئی نہیں

تحریر: میاں وقارالاسلام

ایک وقت تھا نوکیا کے علاوہ لوگوں کے پاس موبائل کی آپشنز کم تھی جب نوکیا نے وقت کے ساتھ خود کو اپ ڈیٹ نہیں کیا تو کسی نے اس موبائل کر طرف مڑ کر نہیں دیکھا، انگریزی میں کہا جاتا ہے client is the king اور یہ کنگ ہمیشہ ٹھیک فیصلہ کرتا ہے جو چیز اُس کے معیار پر نہیں اترتی کمپنی جو مرضی کرلے عوام کا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔

سیاست بھی اس سے مختلف نہیں ہے، بھٹو کو کوئی نہیں جانتا تھا، اس نے اپنے آپ کو عوام میں متعارف کروایا اور اپنی مقبولیت قائم کی (کچھ لوگ اگر جزوی مقبولیت سمجھتے ہیں اور کچ کلی، خیر مقبولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا) اور پھر اس ملک میں بھٹو کی حکومت کا بھی قیام ہوا۔ اسی طرح نواز شریف نے سیاست میں قدم رکھا جیٹ پیک ظاہر ہے سب کو آرمی سے ہی ملتے رہے تو اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے الگ رکھتے ہیں) ںواز شریف اور شہباز شریف نے بھی اپنے آپ کو متعارف کروایا اور اپنی مقبولیت بڑھاتے گئے انہوں نے بھی اپنا ووٹ بینک بنایا (کچھ لوگ اگر جزوی مقبولیت سمجھتے ہیں اور کچھ کلی، خیر مقبولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا) یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے عروج دیکھ چکی ہے ایک نے اپنی ساکھ مکمل طور پر کھو دی اور دوسری جماعت اپنی ساکھ کو بچانے کے چکروں میں وجہ یہی ہے کہ عوام جس ووٹ کو استعمال کرتے ہوئے ان جماعتوں کے مقبول بنا سکتی ہیں وہی انہیں غیر مقبول بھی بنا سکتی ہیں جیسا کہ واضع طور پر پی پی کے ساتھ ہوا اور کسی حد تک نون لیگ کے ساتھ ہوتا نظر آرہا ہے۔

مشرف نے ایک کیو لیگ بھی بنائی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کسی کو پتہ ہے کہ سیاسی جماعتوں سے بھی لمبا عرصلہ مسلسل حکومت میں رہنے والی کیو لیگ کو آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ یہ عوام سوئی ہوئی نہیں تھی نہ ہی جاہل تھی وہ ان تمام حالات کو قریب سے دیکھ رہی تھی اور اس نے مشرف کی سو کالڈ مقبولیت کا جنازہ نکال دیا۔

اب رہے خان صاحب جی عمران خان نیازی صاحب میری ان کے بارے میں بڑی عجیب سی فیلنگز ہیں جو شاید کسی کو سیاست دان کے بارے میں کبھی نہیں ملی، میں ان کی باتوں پہ ہنستا بھی ہوں، مجھے بعض دفعہ غصہ بھی بڑا آتا ہے، اور بعض دفعہ پیار بھی بہت آتا ہے اور بعض دفعہ تو یقین کریں رونا بھی آجاتا ہے۔

یہ اکثر کہتے ہیں کہ عوام جاہل ہے، عوام سوئی ہوئی ہے عوام یہ ہے اور عوام وہ ہے، اسی عوام نے آپ کو کے پی کے میں حکومت دی تو کیا صرف کے پی کے کی عوام پڑھی لکھی ہے، اور جاگی ہوئی بھی ہے اور جاہل بھی نہیں ہے اور باقی سارا پاکستان جاہل۔ خدا کے لیے ایسی سوچ سے باہر نکلیں۔

آپ نے لاہور میں بہت اچھا پرفارم کیا مجھے 60 اور 40 کا مارجن لگ رہا تھا مگر پی ٹی آئی توقعات سے کہیں بہتر کھیلی جس کی خوشی ہے، اب جتنے مارجن سے پی ٹی آئی ہاری ہے اسے اس پر فوکس کر کے مزید محنت کرنی چاہیے بجائے یہ کہ اپنی تھکی ہوئی فلاسفی پیش کر کر کے اپنے ہی ووٹ ضائع کرنے کی۔

کوئی انسان کامل نہیں ہوتا ہر کسی میں خامیاں ہوتی ہے، اور اپنی خامیوں کا احاطہ نہ کرنے والے نقصان اُٹھاتے ہیں، اور یہی وہ مارجن ہے جو پی ٹی آئی کھو بیٹھتی ہے۔

خان صاحب کو کرکٹ کی ہی مثال دیتے ہیں، ہر بال پر چھکانہ ماریں جہاں سنگ ڈبل سکور کی ضرورت ہو وہاں سنگ ڈبل بھی لے لینے چاہیں۔ مگر سچ میں رونا آتا ہے آپ کی صف میں کچھ چھکے ایسے ہیں جو آپ کو کبھی سنگل ڈبل نہیں لینے دیتے ہمیشہ بڑی شاٹ مرواتے ہیں اور آپ کی وکٹ اُڑوادیتے ہیں۔

عوام چاہے آپ کو ووٹ دیتی ہے یا نہیں دیتی آپ کی عزت دل سے کرتی ہے بطور سیاست دان بھی اور بطور کرکٹ چیمپین اور سماجی اور فلاحی کارکن کے بھی۔ عوام کو جاہل کہ کر ان کے جذبات کا جنازہ نہ نکالا کریں۔

عوام کی جہالت کا چھوڑیں اپنی جماعت کے اندر کی جہالت کا خاتمہ کریں جو آپ کو ایک سطح سے اوپر نہیں آنے دے رہی۔

پاکستان زندہ باد، پاکستانی عوام زندہ بعد

"باندر کلا"

تحریر: میاں وقارالاسلام

یہ ایک کھیل ہے اس میں چند بچے شامل ہوتے ہیں۔ میدان میں ایک لکڑی کا چھوٹا سا نوکدار ٹکڑا اگاڑ دیا جاتا ہے جس کو "کِلا" کہتے ہیں۔ اس کلے کے ساتھ تقریباً دو گز کی رسی باندھ دی جاتی ہے۔ رسی کا دوسرا سرا کسی ایک بچے کو تھما دیا جاتا ہے جسے "باندر" کہتے ہیں۔ سب بچے اپنی چپلیں، جوتیاں اور شوز وغیرہ اتار کر اس "کلے" کے ارد گرد رکھ دیتے ہیں۔

لو جی کھیل شروع ہوا چاہتا ہے۔

سب بچوں نے ملکر جوتیاں اٹھانی ہیں مگر باندر سے بچ کر کہ وہ کسی بچے کو ہاتھ نہ لگا دے ورنہ اس بچے کو باندر بننا پڑتا ہے۔ باندر کو رسی پکڑے ہوئے ہی کسی بچے کو ہاتھ لگانا ہوتا ہے۔ پہلی جوتی کو اٹھانا مشکل ہوتا ہے۔ جونہی کسی طریقہ سے پہلی جوتی کو اٹھایا جاتا ہے باندر کا رنگ بدلنا شروع ہو جاتا ہے یعنی اس کو اپنی شامت قریب دکھائی دینا شروع ہو جاتی ہے۔ اگر اس دوران باندر رسی چھوڑ دے یا اس سے چھوٹ جائے تو بچوں کے ہاتھوں میں موجود اٹھائی ہوئی جوتیاں اس باندر کو زور زور سے پڑنا شروع ہوتی ہیں ورنہ کھیل جاری رہتا ہے۔ بچے دھوکہ دے کر جوتیاں اٹھاتے جاتے ہیں یعنی ایک بچہ بھاگ کر آتا ہے تو اس کو ھاتھ لگانے کے لیے باندر رسی کو پکڑے ہوئے اس کی جانب بڑھتا ہے مگر وہ دھوکہ دے کر دائیں بائیں ہو جاتا ہے اور اسی دوران دوسری سمت سے آنے والا بچہ قریب آ کر دو تین جوتیاں اٹھا کر دور چلا جاتا ہے۔

جب تمام جوتیاں اٹھالی جاتی ہیں تو ایک مقررہ جگہ "پینڈا" کی طرف باندر نے بھاگ کر اپنی جان بچانا ہوتی ہے ورنہ اس پر جوتیوں کی مسلسل بارش ہوتی ہے اور اس زور سے جوتیاں اس بچارے کو پڑتی ہیں کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں کیونکہ جوتیوں میں بعض اوقات پشاوری چپل تک ہوتے ہیں۔

کچھ بچے باندر کی تواضح کرنے کے لیے "پینڈا" کے راستے میں ہی خود کو تعینات کر لیتے ہیں۔ جونہی باندر ان کی رینج میں آتا ہے اسکی خوب خاطر و مدارت کرتے ہیں۔

اتنا پر تشدد کھیل نجانے بچے کیوں کھیلتے ہیں؟

پاکستانی سیاست کا حال بھی ایسا ہی ہے، میاں صاحب رسی چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں اور عدالت کی جوتیاں انہیں زور زور سے پڑ رہی ہیں۔ اب میاں صاحب پوری کوشش کریں گے کہ کسی طرح "پینڈا" کی طرف بھاگ کر اپنی جان بچالی جائے؟

جنگل کا بھی کوئی قانون ہوتا ہے۔

تحریر: میاں وقارالاسلام

اسلام کا جب آغاز ہوا تو ایک سے بڑھ کر ایک تکلیف راستے میں حال ہوئی۔ خود محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاک ذات اور صحابہ کرام نے بہت سی مشکلوں کا سامنا کیا، پھر کئی غزوات بھی ہوئے، بحث و تکرار بھی رہی معاہدے بھی ہوئے یہ حق اور باطل کی لڑائی تھی اسلام جن سے لڑ رہا تھا وہی اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے اس عمل کے پیچھے اللہ کے راز تو اپنی جگہ تھے مگر جو حکمتِ عملی تھی اس کی مثال بھی دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اسلام نے خود کو سچ اور حق بات سے منوایا، صبر مسلسل کی مثالیں قائم کی، اخلاق کے اعلی معیار قائم کیے، کھلے عام معافی اور در گزر سے کام لیا گیا۔ اسلام نے کہیں پر پرسنل ہونا نہیں سیکھایا، توہین آمیز فقرے نہیں کسے، غیر عسکری جان ومال، درختوں، جانورں، باغوں اور کھیتوں کو نقصان نہیں پہنچایا۔

اسلامی معاشرے کو سب سے پہلے اعلیٰ مہذب معاشرہ بنانے کی ایسی مثال قائم کی گئی جو دنیا نے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ معاشرے کا خدوخال ایسا تھا کہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے جاتے تھے۔

زمانہ جہالت کے جس معاشرتی وسماجی ماحول کو اسلام نے دفن کیا تھا ہم نے اپنے ارد گرد وہی ماحول دوبارہ پیدا کر لیا ہے۔ عملی طور پر ہم اخلاقی اور سماجی گراوٹ کا شکار ہیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں تھا مگر وہ شکر کرتے نہیں تھکتے تھے، ہمارے پاس سب کچھ ہے اور ہم شکوہ کرتے نہیں تھکتے۔

جن برائیوں کو اسلام ختم کرنے کے لیے آیا تھا وہی برائیں ہم نے اپنے اندر پیدا کر لی ہے۔ جھوٹ ہم بولتے ہیں، غیبت ہم کرتے ہیں، ملاوٹ ہم کرتے ہیں، رشوت کا بازار ہمارے معاشرے میں گرم ہے، حیا کی چادر ہم نے نہیں سنبھالی، رشتہ داروں کو ہم شریک سمجھتے ہیں، ہمسایوں سے ہماری روش رہتی ہے، دوستوں پہ ہم اعتبار نہیں کرتے۔ شائید کوئی ایسی برائی ہو جس سے اسلام روکتا ہے اور ہمارے معاشرے نے اسے اُڑھنا بچھونا نہ بنایا ہو۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کو تعمیرِ نو کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں پتا ہے کہ ہمارے مسائل کیا ہے، ہمیں پتا ہے ہم کس طرف جا رہے ہیں ہمیں پتا ہے ہمیں کیا کرنا چاہیے مگر ہم اتنے کمزور ہو چکتے ہیں۔ کہ سب جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرتے۔

اللہ فرماتا ہے تم پہ جو مشکل آتی ہے تو تمہاری شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور جو تمہیں نعمت ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ ہم اپنی ساری مشکلوں کی وجہ صرف اور صرف خود ہیں۔ جنگل کے بھی کوئی قانون ہوتے ہیں، ہمارے پتا نہیں کیا قانون ہیں۔

ہم توقع کرتے ہیں راتوں رات سب ٹھیک ہو جائے، مگر جب خود کو ٹھیک کرنے کی بات آتی ہے تو ہم منہ موڑ لیتے ہیں۔ ہمیں انفرادی سطح پر خود کو ٹھیک کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ ہمیں تو ایسی جماعت بنایا گیا تھا جس کہ پہچان کہ تھی کہ برائیوں سے روکتی تھی اور نیکی کی ترغیب دیتی تھی۔ ہمیں تو اب اپنے اندا ایک جماعت چاہیے جو برائی سے روکے اور نیکی کی ترغیب دے۔ ہم بہت کمزور ہو چکے ہیں مگر ہم میں ایک دوسرے پر انگلیاں اُٹھانے اور ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی تو پوری طاقت ہے مگر اپنا انفرادی احاطہ کرنے کا حوصلہ نہیں۔

احساس جانوروں میں بھی ہوتا ہے، خدا جانے ہمارے احساس کا جانور کس جنگل میں ہے

اے اللہ ہماری آنکھیں کھول ہم دیکھ نہیں سکتے، اے اللہ ہمارے کان بند ہیں سن نہیں سکتے، اے اللہ ہماری زبانیں گونگی ہیں ہم بول نہیں سکتے، اے اللہ ہمارے دل مردہ ہیں کچھ محسوس نہیں کرسکتے۔ اے اللہ ہم بہت سے راستوں میں بھٹکے ہوئے ہیں ہمیں ہدایت کا راستہ دیکھا۔ ہم ہر سطح پر بکھرے ہوئے ہیں ہمیں ایک کر۔ ہم کمزور ہو چکے ہیں ہمیں مضبوط کر، ہم صبر نہیں کرتے ہمیں صبر کرنے والا بنا ہم شکر نہیں کرتے ہمیں شکر کرنے والا بنا۔ یااللہ ہم سے ہماری برائیوں کو دور کر ہمیں فلاح کا رستہ دیکھا۔ امین

اللہ کے بندے

تحریر: میاں وقارالاسلام

اللہ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر سب اللہ کے ہی بندے ہیں دنیا کا گناہ گار ترین شخص بھی اس کے رحمت کے دائرے سے باہر نہیں، جب بھی وہ توبہ کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ کی رحمت اسے بھی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ دنیا کا نیک ترین انسان بھی اگر خدا کے شرک کا مرتکب ہو جائے یا اس کی رحمت کا منکر ہو جائے یا مغرور اور متکبر ہو جائے تو اُس کی ساری زندگی جو راہِ راست پہ گذری ہو اسے بچا نہیں سکتی۔ اللہ کی رحمت سب پر برس رہی ہے کون کیس وقت اس کا فضل حاصل کر لیتے ہے اور کون کس وقت اس کے فضل سے باہر ہو جاتا ہے، اس کا راز بھی اللہ ہی جانتا ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ اختلافِ رائے انسان کا حق ہے مگر اپنی انا کی تسکین کے لیے اس حد تک نہیں جانا چاہیے کہ ہم حضرتِ انسان کی حرمت کے تقدس کو بھی پامال کرتے چلے جائیں۔ انسانوں کے انسانوں پر حقوق بہت زیادہ ہیں یہ بھی انسان کا انسان پر حق ہے کہ اس کے حق میں مغفرت کی دعا کیا جائے اور اسے حق کی طرف بلانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ انسان پر تو جانوروں کا بھی حق کی کہ ان کی حرمت کا بھی خیال رکھا جائے، پھر نا جانے کیوں انسان انسان کی عزت نفس کے ساتھ کھیل جاتا ہے۔ ہمیں کم سے کم اس بات کا خیال ضروت رکھنا چاہیے کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ طائف کے لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لہولہان کر دیا مگر اُن کے لب سے بد دعا نہیں نکلی ہم اُسی رحمت اللعالمین کے پیروکار ہیں۔

اسلام کی معراج کا دور

تحریر: میاں وقارالاسلام

جب اسلامی شریعت کو رائج کرنے کی بات آتی ہے، سب سے پہلے تو کاروباری اور سیاسی دیوتا اس کی رہ میں رکاوٹ بنتے ہیں کیوں کہ اس سے انہیں دونوں طبقات کا سب سے زیادہ نقصان ہوتا ہے، کاروبار والوں کو کاروبار خطرے میں نظر آتا ہے اور سیاست دانوں کو سیاست خطرے میں نظر آتی یہ اس لیے کہ دونوں کی اصول اسلام پر مبنی نہیں ہیں اور انہیں شریعت کے رائج ہونے سے باہمی ٹکراؤ کی صورتِ حال نظر آتی ہے۔

دوسری طرف ہمارے فرقہ پرست لوگوں کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اگر شریعت کبھی رائج بھی ہو تو اسلام کی شریعت رائج نہ ہو بلکہ ان کے فرقے کی شریعت رائج ہو، کیوں کے اگر صحیح معانوں میں اسلام کی شریعت رائج ہو جائے تو تمام فرقوں کو اپنے اپنے بچاؤ کی جنگ لڑنی پڑ جائے گی سو انہیں بھی شریعت کے رائج ہونے سے باہمی ٹکراؤ کی صورتِ حال نظر آتی ہے۔

اسی لیے شریعت کو ہی مشکل بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے جب کہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ مشکل انہیں طبقات کی طرف سے ہے جو شریعت کو رائج نہیں ہونے دینا چاہتے۔

پھر مثال دی جاتی ہے کہ وہ پرانا دور تھا، لوگ پہاڑوں میں رہتے تھے، گھوڑوں پر سواری کرتے تھے اور جنگی ساز و سامان بھی پرانی نوعیت تھا، اور اسلامی سزائیں انتہائی سخت تھیں ان کو رائج کرنا آج کے دور میں بہت مشکل ہے اور اس طرح کی ہزاروں

باتیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ صرف شریعت سے جان چھڑانے کے بہانے ہیں، حالانکہ شریعت ان کی جانوں پر ظلم نہیں کرتی بلکہ یہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

گھوڑوں اور نیزوں کا دور اسلام کی معراج کا دور تھا، معاشرے انصاف پر قائم تھے، پوری دنیا میں اسلام کا رعب تھا۔ وہ دور ہمارے لیئے مشعل راہ ہے اور وہ ایک اعلی ترین دور تھا، اس وقت کے گھوڑے آج کے میزائل اور ٹائم بم سے زیادہ رعب رکھتے تھے اس وقت کے مسلمان اعلی ترین مسلمان تھے جہنوں نے دنیا میں دین کی حاکمیت قائم کی اور اپنا روعب برقرار رکھا! جنگیں صرف فوجی اسلحے اور بارود سے نہیں بلکہ جذبے سے جیتی جاتی ہیں۔ اس وقت کے منصف اعلی منصف تھے۔ اس دور کی سنہری بنادیں کامیاب معاشرے کی روح تھیں۔ وہ سنہرا دور جہالت کا دور نہیں تھا بلکہ آج کا دور جس کی روشنیوں سے آنکھیں اندھی ہوتی جارہی ہیں یہ جہالت کا دور ہے اور اس کی جہالت کو دور کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اس سنہرے دور کے کامیاب اصول اس جدید دور میں رائج کیے جائیں۔ انہیں اصولوں پہ اسلام نے ترقی کی تھی اور جب سے وہ اصول ختم کیے گئے ہیں اسلام ایک قدم آگے نہیں بڑھا۔ ہم تعداد میں زیادہ سے زیادہ ہوتے گئے ہیں اور ہمارا روعب بڑھنے کی بجائے گھٹتا گیا ہے۔

ہم نے قران اور سنت کو پیچھے رکھ کر دیکھ لیا ہے، پوری دنیا کی ترقی کی کسی دوڑ میں ہم شامل نہیں ہیں۔ جب کہ قران اور سنت ہمیں جدید دور کی طرف لے کر جاتی ہے، اللہ فرماتا ہے کہ اپنے گھوڑے تیار رکھو، اس سے مراد جانور نہیں بلکہ جو بھی جنگی ساز و سامان ہو سکے چاہے آج کے مزائل ہوں یا پھر بم، اسی طرح اللہ فرماتا ہے کہ آسمان کی حدوں سے آگے نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل نہیں سکتے۔ اسلام ہمیں نئی سے نئی چیزیں مسخر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اس کی کئی مثالیں قران و حدیث میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

شریعت کے جدید اصول اپنانے کی وجہ سے ہی اسلام پوری دنیا میں غالب آیا تھا، اور شریعت کو پشت پیچھے ڈالنے کی وجہ سے ہی ہم مغلوب ہوئے اور ہمارے لوگ اپنے اپنے ملکوں میں مغلوب ہو گئے یہاں تک کہ ہم اپنے خاندان اور اپنے گھر میں بھی مغلوب ہیں، ہمیں ہر سطح پر غالب آنے کے لیے پھر سے شریعت کے معراج کی طرف سفر جاری کرنا پڑے گا اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں وہ دھوکے کا سامان ہے اور باطل کو مضبوط اور خود کو کمزور کرنے کی کھلی راہ ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت دے کہ ہم اس کی دی ہوئی ہدایت کو رائج کر سکیں۔

امین۔ دعا گو میاں وقار الاسلام

ماڈل بیس گورننس

Model Based Governance

ہمارا مسئلہ جزوی نہیں کلی ہے

تحریر: میاں وقار الاسلام

مختلف فورمز پر پاکستان کے مسائل کے حوالے سے بات ہوتی رہتی ہے اور بہت سے لوگوں کا نقطہء نظر دیکھنے کو ملتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ہمارا تعلیمی نظام ٹھیک نہیں، ہمارا ماحولیاتی نظام ٹھیک نہیں، ہمارا ٹریفک کا سسٹم ٹھیک نہیں، اداروں میں کرپشن ہے، پولیس اور عدلیہ ٹھیک نہیں اسی طرح ایک ایک کر کے ہر ادارے کے بارے میں یہی بات کی جاتی ہے کہ ہر جگہ سسٹمیٹک ایشیوز ہیں۔

جس طرح کے جزوی مسائل ہم سنتے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہیں یا پھر ان پر اپنی رائے دیتے ہیں دراصل ہمارا مسئلہ سرے سے اس چیز کا نہیں ہے۔ ہماری کل عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہ بنیادیں ہی ٹیڑھی ہیں اس لیے ہمیں عمارت کا ہر کمرہ ہر کونہ ٹیڑھا ہی نظر آئے گا اگر ہم عمارت کی بنیاد کو ٹھیک نہیں کریں گے ہمارے مسائل جوں کے توں ہی رہیں گے۔ ہم ایک ایسے درخت کی مانند ہیں جس کا تنا کمزور ہو چکا ہے اور اب کسی شاخ پر پھول اور پھل نہیں لگتے اور اگر ہم سب مل کر اپنے اس درخت کے تنے کو مضبوط نہیں کریں گے ہماری شاخوں پر کبھی پھول اور پھل نہیں لگیں گے۔

ہمارا نظام اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس میں رہتے ہوئے کوئی ادارہ بہتر پرفارم کر سکے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کوئی ادارہ اپنے پیٹی بھائی کو عبرت کا نشان نہیں بنائے گا بلکہ اس کا تحفظ کرے گا۔ جس سے ہر کرپٹ بندے کو پوری پوری تقویت ملے گی اور

اگر کوئی ٹھیک بھی ہونا چاہیے گا تو اس طرح کے لوگ اسے واپس اپنے جیسا کر لیں گے۔ یہ ماننا کہ موجودہ سسٹم میں رہتے ہوئے اس نظام کو ٹھیک کیا جاسکتا ہے یہ بات ایک دیوانے کا خواب تو ہو سکتی ہے مگر اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

گن سے زیادہ وہ شخص اہم ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں گن ہوتی ہے۔ ہم ایک دہشت گرد کے ہاتھ میں گن پکڑا کر یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں یہ کبھی امن بھی لا سکتا ہے۔ ہم ایک کرپٹ شخص کے ہاتھ میں اختیار دے کر یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ کرپشن کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ پولیس والوں کو کیا ڈر ہے کہ اگر وہ غلط کریں گے تو پکڑے بھی جائیں گے۔ یا عدلتیں جو فیصلے کرتی ہے وہ منوا تو لیے جاتے ہیں کیا واقعی ان کی ہیبت عوام کے دلوں میں بیٹھتی ہے کیا عوام واقعی پولیس اور عدلیہ کی کارکردگی سے راضی ہے۔ کیا آج بھی پولیس اور عدلیہ انہیں کے لیے فعال نہیں جن کے پاس پیسہ اور طاقت ہے۔

غریبوں کے حقوق کی بات کی جاتی تو کیا ہم سمجھتے کہ غریب کش انسانوں کے ہاتھوں میں اختیار دے کر غریب لوگوں کی محرومیوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

ہم نے دودھ کی رکھوالی کے لیے بلوں کی فوج رکھی ہوئی ہے جو ہر روز سارا دودھ چٹ کر جاتے ہیں، بلے موٹے سے موٹے ہوتے جا رہے ہیں اور عوام اور ملک کی حالت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

خیر میں مسائل پر زیادہ بات کرنے کا قائل نہیں ہوں، ہمارے بچے بچے کو پتا ہے کہ ہمارے کیا مسائل ہے اور سیاست دانوں سے بہتری کا سن سن کر ہمارے کان پک گئے ہیں اور بہتری کا خواب ایک بیہودہ نعرہ بن کر ہی رہ گیا ہے۔ تبدیلی نہ ہمارے بڑوں نے دیکھی نہ ہم نے دیکھی اور نہ ہی یہ نظر آتا ہے کہ ہمارے بچے دیکھیں گے۔ کیوں کہ ابھی بھی ہم نے اپنی بنیادوں کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

ہم ایک جذباتی قوم ہیں اور بنیادی طور پر شخصیت پسند ہیں۔ ہم لوگوں سے اپنی توقعات جوڑ جوڑ کر انہیں دیوتا بنا دیتے ہیں اور جب ہماری خواہشات کا دیوتا ہمیں کچھ دینے سے قاصر رہتا ہے تو ہم اس سے نا امید ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بس اب یہ عبرت کا نشان بھی اور نیست و نابود ہو جائے اور ہمیں کوئی اور مسیحا ملے جس کی پوجا کر کے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

کاروباری دنیا میں اگر کوئی ادارہ ترقی کرتا ہے تو وہ ادارہ ترقی کرتا ہے جو اپنی بنیادیں بہتر کرتا ہے اور اپنے کاروبار کا ایک ماڈل بناتا ہے۔ اور پھر دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے کسی شخص کو اجازت ہی نہیں ہوتی کہ وہ ادارے کے بنیادی ماڈل سے ہٹ کر کچھ کر سکے، سسٹم یا ماڈل کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کو یا تو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے یا پھر پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ ٹھیک کام کرنے والے کے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہوتی ہیں اور غلط کام کرنے والوں کے لے مشکلات اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ وہ دوبارہ سے غلط کام کرنے کا نہیں سوچتا۔ مگر بیسک ماڈل ہی غلط ہو تو سب الٹا ہوتا ہے ہر غلط کام کرنے والے کے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہوتی ہیں اور ہر درست کام کرنے والے کے لیے پریشانیاں ہی پریشانیاں ہوتی ہے کیوں کہ جب سمت ہی غلط ہو تو پھر جتنا بھی لمبا سفر کیوں نہ کر لیں منزل کبھی نہیں آتی۔

ہمیں ایک بہترین ریفائنڈ نیشنل ماڈل کی ضرورت ہے جسے تمام ادارے کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے اور اگر کوئی ادارہ یا فرد اس کے کسی بھی اصول کی خلاف ورزی کرے تو پھر اس کا جینا مشکل کر دیا جائے یہاں تک کہ اسے اپنی حالت درست کر کے واپس اسی ادارے میں آنا پڑے اور اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ ہو۔

پوری دنیا میں جہاں جہاں گڈ گورننس نظر آتی ہے اس کے پیچھے بنیادی سٹرکچر یہی ہوتا ہے کہ قومیں اپنے اصول وضع کرتی ہیں اور پھر جو کچھ بھی ہو جائے اپنے اصولوں پر سودا نہیں کرتیں اور اگر کوئی اصولوں پر سودا کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس کی ہر کوشش رائیگاں جاتی ہے کیوں کہ سسٹم میں اس کی اجازت یا گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

اسی طرح جن ملکوں میں ماڈل بیس ڈیویلوپمنٹس نہیں ہوتیں وہاں کا ہر بندہ ماڈل ہوتا ہے اور اس کی اپنی الگ ہی فلاسفی ہوتی ہے۔ یہ لوگ حب الوطنی کے نام پر اپنے دماغوں میں جو خلائی پلاو پکاتے رہتے ہیں اس کا نہ تو ان کو کوئی فائیدہ ہوتا اور نہ ہی کسی اور کو کوئی فائیدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ بجائے اس کے کہ انفرادی سطح پر ہی ملک کی یا اپنی کوئی خدمت کر پائیں صرف نظام کا رونا ہی روتے رہتے ہیں۔ ان کی قسمت رونے سے شروع ہوتی ہے اور رونے پر ہی ختم ہوتی ہے نہ کوئی جینے کا مقصد نہ ہی کوئی مرنے کا مقصد بس راستے ہی بدلتے رہتے ہیں جب کہ منزل کا تعین کبھی بھی نہیں کر پاتے۔

ماڈل بیس اکانومیز میں راستے بھی واضع ہوتے ہیں اور منزل بھی صاف ہوتی اس لیے ہر شخص با آسانی اس میں اپنا حصہ ڈالتا رہتا ہے اور ملک ترقی کی منزلیں طے کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ نہ دیوانے کا خواب ہے اور نہ ہی فینٹسی ورلڈ ہے۔ قوموں نے ایسے ہی ترقی کی ہے اور ایسے ہی ترقی کر رہی ہیں اور ایسے ہی ترقی کرتی رہیں گی۔ اور منہ دیکھنے والے منہ ہی دیکھتے رہیں گے نہ انہوں نے کچھ کیا ہے، نہ کر رہے ہیں اور نہ ہی کر سکیں گے جب تک کہ یہ خود اپنی حالت ٹھیک نہیں کر لیتے اور اپنی منزل اور راستے ایک نہیں کر لیتے۔

آخر یہ باتھ روم فلاسفی کیا ہے

تحریر: میاں وقار الاسلام

کچھ لوگوں کو باتھ روم میں جاتے ہی ایک خوبصورت ڈریم ورلڈ کا احساس ہوتا ہے، انہیں لگتا ہے کہ باہر کی دنیا میں تو سوائے گند کے اور کچھ نہیں۔

کچھ لوگ باتھ روم میں جاتے ہی گنگنانے لگتے ہیں، کچھ شاعری کرنے لگتے ہیں، کچھ آئینے کے سامنے خود سے باتیں کرنے لگتے ہیں، کچھ کا ڈانس کرنے کو دل کرتا ہے، کچھ اپنی نئی تصنیف یا نئے مضمون کا عنوان ڈھونڈتے رہتے ہیں کچھ تو اپنی پسندیدہ کتاب یا پھر اخبار یا میگزین بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔

جوں جوں ٹیکنالوجی ترقی کر رہی ہے کچھ لوگ تو اپنا انتہائی قیمتی موبائل، ٹیب یا پھر لیپ ٹاپ بھی باتھ روم میں لے جانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔

مارکیٹ میں واٹر ڈیمج کے کلیم یا پھر ریپیرینگ کے لیئے آنے والے اکثر موبائل فونز کا تعلق باتھ کے کسی واش بیسن یا پھر واٹر ٹب یا پھر کسی کموڈ میں موبائل کے سویمنگ کرنے سے ہی ہوتا ہے۔

یہ شوق عجیب و غریب ہونے کے ساتھ ساتھ وسائل رکھنے والوں کے لیے انتہائی مہنگا بھی ہے۔ مہنگا صرف نقصان ہونے کی ہی وجہ سے نہیں بلکہ جدید ترین لگثریز کی وجہ سے بھی ہے۔

جو لوگ باتھ روم کو ایک ڈریم ورلڈ سمجھتے تھے کاروباری لوگوں نے ان کے جذبات کی تسکین کے لیے اپنی معاونت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی شاید انہوں ان کے وہ خواہشات بھی پوری کر دی ہیں جو کہ انہوں نے کبھی سوچی بھی نہ ہوں۔

اسی وجہ سے آج جب گھر بنوانے لگتے ہیں تو جس قدر باتھ روم مہنگا پڑ تا اس میں تو 10 بیڈ روم ہی بن جائیں۔ مثال کے طور پر !سونے کا کموڈ 10 سونے کے بیڈز سے بھی مہنگا ہے! بس شوق کی بات ہے

آج کل باتھ رومز میں اے سی ہونا تو معمولی بات ہے، پھر اسی باتھ روم میں غسل اور حاجت پوری کرنے کے علاوہ مکمل ڈریسنگ اور میک اپ کی سہولت بھی شامل کر دی گئی ہے۔ پانی کے گرم اور ٹھنڈا ہونے کی سہولت تو اپنی جگہ اب واٹر ٹب اور کموڈ بھی ٹیمپریچر کنٹرول آرہے ہیں کموڈ یا ٹب میں بیٹھتے وقت کسی سردیوں میں نیم گرمی کا احساس ہو اور گرمیوں میں نیم سردی کا۔ اب تو لوگ ایل سیڈیز اور سودنگ لائیٹس کا انتخاب بھی باتھ روم کے لیے کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی ڈریم ورلڈ انہیں پر مسرت ماحول دیتی رہے۔

کچھ لوگ جب باتھ روم جاتے تھے تو گھنٹوں واپس نہیں آتے تھے، اب تو شائید پورا دن ہی باتھ روم میں گزر جائے۔ اسی لیئے اب ہر بیڈ روم کے ساتھ الگ الگ باتھ رومز بنتے ہیں تاکہ کسی کی مصروفیت میں خلل نہ پڑے۔ کیوں کہ کسی بھی مصروفیت میں خلل پڑنے سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی باتھ روم کے باہر کسی کی دستک سے ہوتی ہے۔ اب بندہ پتا نہیں اپنے خیالوں کی جنت میں کہاں کہاں تک جا چکا ہو، پھر باہر سے دستک سارے خواب چکنا چور کر دینے کے مترادف ہی ہوئی نا۔

بہت سے لوگوں کے لیے باتھ روم سے کریٹیو کوئی جگہ نہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ ایک اور ایشو بھی ہوتا ہے یہ جب اپنی ڈریم باتھ روم کے عادی ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی حاجت اپنے باتھ روم کے علاوہ کہیں پوری بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ جہاں سے بھی

واپس آتے ہیں گھر آتے ہی ان کی پہلی آرام گاہ بیڈروم کی بجائے باتھ روم ہی ہوتی ہے۔ یہ گھر آتے ہی آرام سے باتھ روم جاتے ہیں اور گھنٹوں واپس نہیں آتے جب تک ان کی روح کی پوری تسکین نہ ہو جائے۔ پھر کہیں جا کر انہیں اپنے بیڈ پر سکون کی نیند آتی ہے۔

انسان بھی ناں، سکون کی تلاش میں کیا کیا نہیں کرتا! مسئلہ یہ نہیں کہ انسان کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اس کی بڑھتی ہوئی خواہشات سے اور اس کی اپنے آپ سے نذدیکی اسے دوسرے لوگوں سے کتنا دور کر دیتی ہے۔ یا پھر اس کے وقت اور پیسے کا غلط جگہ صرف ہونا اس کی ذمہ داریوں کو کس قدر نقصان پہنچاتا ہے! یا پھر یہ کہ انسان کی اس طرح کی لگثریز جو اسے حقیقت کی دنیا سے دور لے جاتی ہیں جس کا عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ویسے باتھ رومز نے ہمیں کچھ مایہ ناز سکالر، فلاسفرز، سیاست دان، اور سائنس دان بھی فراہم کئے ہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر جو اعلیٰ ترین نفسیاتی مرض دیے ہیں ان کا ہم کیا کریں! جیسا کہ برونائی کا سلطان جس کا کموڈ ہی 24 کیرڈ گولڈ کا ہے۔

سبز ہلالی پرچم ہماری جان ہے، ہماری شان ہے اور ہماری پہچان ہے

تحریر: میاں وقارالاسلام

اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے والے تو سونے اور چاندی کے گھروں میں بھی خوش نہیں رہتے۔ اور اللہ کا شکر ادا کرنے والے مٹی کے کچے مکان میں بھی خوش رہتے ہیں۔

کبھی اس پرندے کو دیکھیں جس کا گھونسلہ تیز ہواؤں کی نظر ہو گیا ہو! کبھی اس بے گھر کی طرف دیکھیں جس کا گھر سیلاب میں بہہ گیا ہو۔ ماں باپ بھی محفوظ پناہ گاہ کا کام کرتے ہیں کبھی انہیں دیکھیں جن کے ماں باپ ان سے بچھڑ گئے ہوں۔ اور پھر یہ دیکھیں کہ وہ کتنے غیر محفوظ نظر آتے ہیں۔

کبھی ان لوگوں کو دیکھیں جو کئی نسلوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہوں، کبھی ان کو دیکھیں جن کی عزتیں ان کے سامنے تار تار ہو جاتی ہوں۔ کبھی ان کو دیکھیں جن کے گھروں میں روز صف ماتم بچھتا ہو۔ کبھی ان کو دیکھیں جنہوں نے زندگی کوئی شام محفوظ نہ دیکھی ہو۔ کبھی ان لوگوں کو دیکھیں جو رات میں سوتے بھی خوف سے ہوں اور دن میں چلتے پھرتے بھی خوف سے ہوں۔ کبھی ان لوگوں کو دیکھیں جنہوں نے آزاد زندگی کا صرف خواب دیکھا ہو اور جس کی تعبیر سے پہلے وہ اپنی سانسوں کے بندھن سے آزاد ہو جاتے ہوں۔

جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے ہم دنیا میں بہت سے لوگوں کو آزادی کی جنگ لڑتے ہوئے دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ جن پر ظالموں کے ظلم کی شدت اتنی زیادہ ہے کہ ان کی تکلیف سے زمین بھی کانپتی ہے اور آسمان بھی لرزتے ہیں۔ مگر ظالموں کے دل پتھر کر دیئے گئے ہیں کہ وہ نہ تو سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں!

بہت سے آزاد ملکوں کی آزادی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہاتھوں سے چھن گئی، ان میں کچھ نے تو شاید اپنی آزادی کی قدر جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی اور کچھ کو ویسے ہی آزمائشوں نے آلیا اور وہ ایک نہ ختم ہونے والے امتحان کی دلدل میں جاپڑے اور دیکھتے ہی دیکھے لاکھوں ہنستے بستے گھر برباد ہو گئے! اور وہاں کے باسیوں سے ان کی شناخت بھی کھو گئی! ذرا ان سے پوچھیں جو اپنی شناخت واپس پانے کے لیے اپنی جانوں کو ہاتھوں میں لیے پھرتے ہیں مگر انہیں ان کی شناخت واپس نہیں مل رہی۔ جب سے پاکستان آزاد ہوا ہے دشمنوں کی میلی نظریں ہمیشہ ہمارے تعاقب میں رہیں ہیں کہ کب ہم غلطی کریں اور کب ہمیں نقصان پہنچایا جائے۔ ہماری آزادی ایک دودھ کا پیالہ ہے اور ہمارا دشمن بد حواس اور بھوکا بھی ہے اور بلی کی طرح نظریں گاڑھ کر بیٹھا ہے کب ہم ذرا سی کوتاہی کریں اور وہ آزادی کا سارا دودھ چٹ کر جائے۔ اللہ کا ہم پر کرم ہے اور پاک فوج کو سلام ہے جو 24 گھنٹے ہمارے ملک کی حفاظ کر رہے ہیں اور دشمن قوتوں کے عزائم کو ناکام بناتے چلے آرہے ہیں۔

چودہ اگست ہماری آزادی کا دن ہے۔ یہ دن ہمارے لیے جس قدر خوشی لے کر آتے ہے اسی قدر یہ ہمارے دشمنوں کا دل بھی جلاتا ہے جنہوں نے ہمیں کبھی آزاد مملکت تسلیم نہیں کیا۔ ہمیں اس دن کی قدر ویسے ہی کرنی چاہیے جیسی کہ کرنے کا حق ہے۔

پاکستان نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے، ہماری قرابتوں کے رشتے بھی اسی لیے محفوظ ہیں کیوں کہ ہم ایک آزاد فضا میں رہتے ہیں۔ والدین ہماری بہتر پرورش بھی اس لیے کر پاتے ہیں کہ انہیں ایک آزاد ماحول ملتا ہے۔ پھر ہم سکول اور کالج یہاں تک کہ یونیورسٹی بھی اسی لیے جاپاتے ہیں کہ ہم ہر جگہ آزاد ہیں اور جو چاہتے ہیں بننے کی کوشش کرتے ہیں اور بن کر دیکھاتے ہیں۔ پھر ہماری پروفیشنل لائف چاہے جاب ہو یا پھر اپنا ذاتی کاروبار وہ بھی اسی وجہ سے پروان چڑھتا ہے کیوں کہ ہم مغلوب نہیں۔ پھر ہم اپنے خاندان اور اپنی نسل کو بڑھاتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ ہمارا مستقبل غیر محفوظ نہیں۔ ہمیں یہ سب کچھ اللہ طرف سے پاکستان کی صورت میں عطا ہوا جس کی جتنی قدر کی جائے اتنی ہی کم ہے۔ سبز ہلالی پرچم ہماری جان ہے، ہماری شان ہے اور ہماری پہچان ہے اور ہم اپنی پہچان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں۔ اللہ ہم پر آزادی کی چھت قائم رکھے اور ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل بھی روشن ہو، آمین

عمران خان ایک مسلسل جدوجہد اور محنت کا نام

تحریر: میاں وقارالاسلام

اگر منزل ہی باطل ہو ڈگر سیدھی نہیں ہوتی
مسافت راہِ حق پر ہو تو پامالی نہیں ہوتی

عمران خان نیازی 25 نومبر، 1952 کو میاں والی میں محترمہ شوکت خانم اور اکرام اللہ خان نیازی کے گھر میں میں پیدا ہوئے۔ عمران خان نے والدین کا واحد بیٹا ہوتے ہوئے چار بہنوں کے ساتھ پرورش پائی، عمران خان کے والد کا تعلق پشتون اور نیازی قبیلے کے شر منخیل خاندان سے ہے، عمران خان نے ایچی سن کالج اور کیتھڈرال سکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، کیبلی کالج آکسفورڈ سے اپنی معاشیات کی انڈر گریجویٹ ڈگری سے قبل رائل گرائمر سکول ورکسٹر میں داخل ہوئے، 1974 میں یونیورسٹی کے دوران عمران خان آکسفورڈ یونیورسٹی کرکٹ ٹیم کے کپتان رہے۔

عمران خان اعلیٰ پائے کے آل راونڈرز اور سب سے بڑے فاسٹ بولرز میں سے ہیں جو دنیائے کرکٹ نے دیکھے۔ عمران خان نے 1971 سے 1992 کے درمیان پاکستان کیلئے ٹیسٹ کرکٹ کھیلی اور جب کرکٹ ٹیم نے پاکستان کی جانب سے واحد ورلڈ کپ جیتا تو اس وقت ٹیم کے کپتان تھے، کرکٹ سے ریٹائر ہونے کے بعد عمران خان نے لاہور میں شوکت خانم کینسر ہسپتال اور ریسرچ سنٹر کا آغاز کیا. پھر 1997 میں پاکستان تحریک انصاف کے نام سے ایک سیاسی پارٹی کا آغاز کیا۔ عمران خان کے سیاسی آئیڈیل ڈاکٹر اور فلاسفر علامہ محمد اقبال ہیں۔ عمران خان 2002 میں میاں والی سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے اور سال 2018 میں پاکستان تحریک انصاف ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن کر اُبھری ہے!

عمران خان میں وہ صلاحیت ہے جو ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے

ایسا احساس دلاتا ہے بشر

سب فرشتوں سے بڑا ہو جیسے

ہمارا قومی کھیل تو ہاکی ہے مگر ہمارے ہاں کرکٹ کے کھیل کو جو اہمیت حاصل ہے وہ شاید کسی دوسرے کھیل کو حاصل نہیں۔ اگر میں اپنے بچپن کی طرف دیکھتا ہوں تو مجھے وہ تمام دوست یاد آتے ہیں جن سے میرا تعلق کرکٹ کی وجہ سے بنا چاہے وہ سکول ہو، چاہے کالج ہو، چاہے یونیورسٹی ہے، چاہے اپنے گھر کے قریبی میدان ہوں یا پھر اسٹیڈیم ہوں، ذہن میں کرکٹ کا ایک وسیع میدان نظر آتا ہے۔ اور یہ تمام رونقیں جس شخص کی وجہ سے ہمیں ملی وہ عمران خان کے علاوہ کوئی اور نہیں!

سوچ کی وسعتوں میں جہاں تک کرکٹ نظر آتی ہے وہیں عمران خان بھی نظر آتا ہے، میرے بچپن کی جتنی یادیں کرکٹ سے وابستہ ہیں اس سے کہیں زیادہ عمران خان سے وابستہ ہیں۔ جب پاکستان کا کسی بھی ملک کے ساتھ میچ ہوتا تھا ایک عجیب سا گرما دینے والا ماحول دیکھنے کو ملتا تھا، چاہے گھر میں فیملی کے ساتھ ہوں یا پھر ہاسٹل میں ایک جنون اور جذبے کی کیفیت ہر چہرے پر پائی جاتی تھی۔ ہم نے بہت سے دوستوں کو عمران خان کی طرح بولتے عمران خان کی طرح بال رکھتے اور عمران خان کے کرکٹ کے سٹائل کو کاپی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور حیران کن بات یہ ہے کہ یہ جذبہ اور جنوں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

عمران خان کی ڈیکشنری میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے

یہاں نظر جہاں دیدہ بہت مسرور ہوتی ہے

بدل ڈالے اگر دل سمت ہریالی نہیں ہوتی

یوں تو پاکستان کی کرکٹ میں بہت سے اچھے پلئیر آتے رہے ہیں مگر عمران خان کی شخصیت میں جو کشش تھی ویسی پھر کرکٹر میں دیکھنے کو نہیں ملی۔ اور ولڈ کپ جینے کے بعد تو اس جنوں میں اور اضافہ ہو گیا، جہاں یہ کامیابی پاکستان کے لیے فخر کا باعث تھی وہی یہ کروڑوں بچوں کے لیے بھی باعث مسرت تھی جو عمران خان سے پیار کرتے تھے۔ عمران خان کے نام کی یا تصویر کی شرٹس، کاپیاں، یہاں تک کے ہاسٹل کی دیواریں یا پھر اپنے بیڈ روم کی سجاوٹ لوگوں نے عمران خان کی پزیرائی اور محبت کے اظہار میں کبھی کوئی کمی نہیں کی۔

خوش قسمت ہوتی ہے وہ قوم جیسے عمران خان جیسے لیڈر نصیب ہوتے ہیں

حاکموں کے بارے میں کہتے ہیں فرشتے ہیں
پھر بھی قسمتیں یارب کیوں نہیں سنورتی ہیں

اس کے بعد ہم نے دوسرا دور بھی دیکھا جب عمران خان نے شوکت خانم کی بنیاد رکھی اور کالجوں اور سکولوں میں فنڈ ریزنگ کی اور ملک کے باہر بھی فنڈ ریزنگ کا سلسلہ جاری رہا، بہت سے شاپ کیپرز جنھوں نے شاید کبھی مسجد کے نام پر چندے کا بکس اپنی دکانوں میں نہ رکھا ہو مگر عمران خان کے لیے انہوں کے کھل کر اپنی محبت کا اظہار کیا، شاپنگ مالز اور شاپس پر اکثر شوکت خانم کے بکس دیکھنے کو ملتے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے عمران خان نے کرکٹ سے ہٹ کر ایک سماجی ورکر کے طور پر بھی اپنے آپ کو منوالیا۔

یہ ایک دیوانے کا خواب تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں بدل دیا۔ کینسر کی بیماری کیا ہوتی اور اس کا متاثرہ خاندان پر کیا اثر ہوتا ہے اس کا احساس مجھے تب ہوا جب اللہ تعالیٰ نے میرے والد کو اس امتحان میں ڈالا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں تندرستی بھی عطا کر دی مگر جو تکلیف دہ مراحل نظر سے گزرے وہ لفظوں میں بیان نہیں کیے جاسکتے۔ عمران خان نے بہت سے مایوس چہروں پر امید کی خوشیاں لکھ دیں اور بہت سے لوگوں کو موت کے منہ سے باہر نکال لانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور ابھی بھی اس

سلسلے کو جاری رکھا ہوا ہے۔

عمران خان وہ خوش نصیب شخص ہے جسے ہر دوسرے میدان میں پہلے سے زیادہ پزیرائی ملی ہے

سن رہے ہیں خوش حالی ملک بھر میں پھیلی ہے
کتنی بستیاں یاں پر رزق کو ترستی ہیں

اب سیاست کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، کرکٹ کے متوالوں کی جان، اور کینسر سے متاثرہ لاکھوں لوگوں کا محسن ایک نئی پہچان کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ سیاست جو کہ کرپشن کے سفر پر چلتے چلتے اپنے سیاہ ترین دور میں داخل ہو چکی تھی اس میں کوئی شخص آ کر دیا بھی جلائے گا اس کی بھی امید تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور ہم عملی طور پر کرپشن کے کلچر کو اپنا چکے تھے۔ تو بہت سے لوگوں کو عمران خان کی باتیں عجیب معلوم ہوئیں کیوں کہ ہم اس تصور سے بھی دور جا چکے تھے کہ ہمارا معاشرہ کبھی کرپشن سے پاک بھی ہو سکتا ہے یا پھر کرپشن سے پاک ہونے کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے۔

کرپٹ معاشرہ ہوتا کیا ہے، کرپٹ معاشرے میں ایماندار لوگوں کی بلی دی جاتی ہے اور بے ایمان لوگوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ میں نے تقریباً ہر محکمے میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو ایمان دار بننا چاہتے تھے مگر سسٹم نے انہیں ذلیل اور رسوا کر کے باہر نکال دیا کیوں کہ وہ پاک بننا چاہتے تھے۔ وہیں میں نے بہت سے لوگوں کو ترقی کرتے ہوئے بھی دیکھا جنہوں نے کرپشن کا رستہ اختیار کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں مالا مال ہو گئے۔

پے فون انڈسٹری میں میری پہلی جاب تھی، میرے سامنے سپیڈ منی کی ایک درخواست آئی تو میں نے یہ کہہ کر پے منٹ روک دی کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہوتے ہیں۔ پے منٹ نہ دینے کی وجہ سے لائن مین نے ایک غریب کا

پی سی او بند کر دیا، تیسرے دن شاپ والا اپنے پے فون سیٹ کے ساتھ ہمارے آفس آ گیا اور کہا کہ رشوت نہ دینے کی وجہ سے اس کا چھوٹا سا کل کاروبار بند ہے۔ ہمارے ایک سینئر تھے مرحوم سلیم صاحب انہوں نے مجھے پاس بیٹھایا اور سمجھایا کہ اس غریب شخص نے اپنی بیٹی کے جہیز کا زیور گروی رکھ کر یہ پی سی او لگوایا اور یہی کاروبار اس کا کل وسیلہ ہے اور تین دن سے اس کی روزی بند ہے اب بتاؤ کہ کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے کسی کی روزی روٹی بند کرنا یا کہ رشوت دے کر اس کے کاروبار کو جاری رکھنا۔ کرپشن کتنی بڑی لعنت ہے اس کا احساس مجھے اپنی پہلی جاب کے پہلے واقعے سے اچھی طرح ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے چڑھاوے کو حرام ٹھہرایا ہے اور سب سے بڑھا چڑھاوا تو ہم اپنی حکومتوں کی طرف چڑھاتے ہیں اور پھر اپنے اوپر ایک نہ ختم ہونے والا فرعونی اور ابلیسی نظام مسلط کر لیتے ہیں اور پھر اس نظام کی پوجا کرتے رہتے ہیں کہ ہم اسی مکڑی کے جال کی وجہ سے زندہ ہیں حالانکہ کہ زندگی کا جال نہیں ہے بلکہ بدترین موت کا جال ہے ایک ایسا جال جو انسان کو جیتے جی مار دیتا ہے۔

عمران خان جب نئے نئے سیاست میں آئے تو ان کا ایک پروگرام میلسی بار کورٹ میں بھی رکھا گیا، ان دنوں میرے والد صاحب میاں عبدالسلام پریزیڈنٹ بار تھے تو عمران خان سے ملنے اور ان کو تفصیل سے سننے کا موقع مجھے بھی مل گیا۔ خان صاحب اس وقت جو منشور پیش کر رہے تھے وہ روایتی سیاست سے بالکل الگ تھا، وہ ایک ایسی سوچ بیدار کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کا وجود ہماری سیاہ سیاست میں کہیں نہیں تھا۔ شاید اس لیے لوگوں کی ان کی باتیں عجیب معلوم ہوتی ہوں۔ مگر خان صاحب نے آذان دے دی اور اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ یہ تقریباً 20 سال پرانی بات ہے۔

ہم نے ہمیشہ فیوڈرل کلاس سے بڑے بڑے دیوتا سیاست میں اترتے دیکھے تھے، عام انسان تو لوکل سطح پر بھی سیاست میں نہیں آ سکتا تھا اور وہیں عمران خان ایک بڑے سفر کا سامان باندھ چکے تھے۔ مگر اس وقت نہ انہیں خود سیاست دانوں نے سیریز لیا اور نہ ہی عوام نے انہیں کوئی خاطر خواہ پزیرائی دی۔ مگر یہ سفر جاری رہا۔

جب مشروف کے دور میں نواز شریف کے ایم این اے اور ایم پی اے جگہ جگہ چھپتے پھر رہے تھے تو ان ہی دنوں کچھ سیاسی لوگوں سے میرا ابھی رابطہ رہا۔ماحول کچھ ایسا ہوتا تھا کہ ہر سیاسی کارکن کے ساتھ گن مین، باورچی، مالشیا اور سیکریٹری وغیرہ ساتھ ہوتے تھے اور سارے کے سارے لمبے چوڑے بڑے قد کے، لمبی لمبی موچیں اور لمبے لمبے بال اور شکل سے کم ہی پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے تو ایک سیاست دان سے میں نے سوال کیا کہ سر آپ اپنے ارد گرد پڑھے لکھے لوگ بھی تو رکھ سکتے ہیں تو انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، بیٹا پھر ہم تو گھر ہی بیٹھ جائیں نا!

عمران خان کی شخصیت میں ایک میگنیٹک فورس ہے، وہ جس بھی کردار میں ہوں لوگ ان کی طرف مائل ہوتے ہیں

میری آنکھیں تو بھیگ جاتی ہیں
پھر سے تیرے حسین خیال کے بعد

اس کے بعد مشرف کا دور بھی چلا گیا اور پھر پی پی کا دور آیا اور وہ بھی چلا گیا اور اس کے بعد نون لیگ کا دور آیا اور وہ بھی چلا گیا۔ جو پڑھے لکھے لوگ گھر بیٹھے تھے اور جو کم پڑھے لکھے ان کی جگہ پر منسٹرز بنتے چلے آرہے تھے۔ اور ایک طرف عمران خان صاحب تھے جو اس بساط کو ہی پلٹنا چاہتے تھے۔ اس دیوانے کا یہ تیسرا خواب تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پھر تعبیر دے دی۔ اور اب ہم ایک ایسے موڑ پر ہیں جب پی ٹی آئی ایک بڑی جماعت بن کر نہ صرف اپنے آپ کو منوا چکی ہے بلکہ اپنی حکومت بھی تشکیل کرنے جارہی ہے۔

سیاست ایک ایسا موضوع تھا جس میں پڑھے لکھے افراد نے کبھی دلچسپی نہیں لی اور نہ ہی کم پڑھے لکھے مسلط افراد نے پڑھے لکھے لوگوں کو اس میدان میں قدم رکھنے کی جگہ دی۔ عمران خان صاحب وہ پہلے شخص کے نہیں نے سیاہ سیاست کی بساط کو لپیٹا اور روشن سیاست کا نیا باب رقم کیا۔ مگر یہ تبدیلی ابھی بہت سے لوگوں کو ہضم نہیں ہورہی کیوں کہ ہم نے سیاہ سیاست کے اتنے

بروسٹ کھائے ہیں کہ ہمارا پورا نظامِ انہضام تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ نا قابلِ علاج لوگوں میں بہت سے لوگوں کا علاج ہو چکا ہے اور بہت سے لوگوں کا علاج انقریب ہو ہی جائے گا۔ جب سورج کی پہلی کرن نمودار ہوتی ہے تو اندھیرا دم توڑنے لگتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سچائی کا سورج رات کے اندھیرے کو نگل جاتا ہے۔

عمران خان کی زندگی مثالی ہے، ایسے لوگ صدیوں تک اپنی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں

یہاں زندہ دلوں پر ہی تو خوشیاں راج کرتی ہیں
اگر چھائی ہو مایوسی تو خوشحالی نہیں ہوتی

ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ عمران خان صاحب جو کہ رہے ہیں وہ کر بھی سکیں گے یا نہیں۔ یہ ان مایوس لوگوں کا سوال ہوتا ہے جو تبدیلی کے خواب سے بھی ڈرتے ہیں۔ اگر سیاسی طور پر ایک کمزور ترین انسان ایک وزیر اعظم بن کر ابھر سکتا ہے تو ایسا پر اسرار شخص کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ جھوٹ سچائی کا راستہ روک پائے گا! ذرا اپنے دل سے پوچھئے کبھی جھوٹ جس کا اپنا کوئی راستہ نہیں ہوتا کیا اس میں اتنا دم ہوتا ہے کہ وہ سچائی کا مقابلہ کر سکے یا اس کا راستہ روک سکے۔

(18) سورۃ الأنبياء (21) آیات

بَل نَقۡ ذِفُ بِال حَقِّ عَلَى ال بَاطِلِ فَيَد مَغُهُ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ ال وَي لُ مِمَّا تَصِفُو نَ ﴿۱۸﴾

بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے، تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لئے باعث خرابی ہیں۔

عمران خان نے صرف سچ کی آواز اُٹھائی تھی پھر اللہ نے اس میں اتنی طاقت بھر دی کے وہ تمام سیاسی آقاؤں کے سر لے گئی۔ سچ کی یہی طاقت کے سچ یہی کرتا ہے اور سچ یہی کرتا رہے گا! ناامیدی جھوٹوں کا مقدر ہوتی ہے۔

علی زیدی کے الفاظ کو سنہری حروف کے ساتھ لکھنا چاہیے

میں دعا کرتا ہوں میرا بچہ میرے لیڈر عمران خان کی طرح بن جائے! آپ دعا کرو آپکے بچے الطاف حسین اور نواز شریف بن جائیں

میں مٹانے کے لئے آیا تھا شریاں پہ وقار
شر پسندوں کے گنہ سب میرے سر پر پڑ گئے

اللہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور خان صاحب کی نیت اور جذبہ کسی کے ڈھکا چھپا نہیں۔ اللہ کی ذات اگر خان صاحب کو یہاں تک پہنچا سکتی ہے تو اس سے آگے بھی وہی لے کر جائے گی۔ عمران خان کے نئے سفر کا آغاز ہے۔ دعا ہے اللہ ان کے لیے آسانیاں پیدا کرے اور جس خیر خواہی کا خواب انہوں نے اپنی قوم اور ملک کے لیے دیکھا ہے وہ اپنی حقیقت تک پہنچے!

امین یارب العالمین!

غیر مہذب رویئے غیر مہذب قومیں

تحریر: میاں وقار اسلام

اللہ تعالی نے بدلہ لینے کی یا پھر حملہ کرنے کی جبلی صفات ہر چرند اور پرند وغیرہ میں رکھی ہیں۔ سانپ ڈس لیے گا، کتا کاٹ لے گا، گینڈ ٹکر مارے گا، گدھا دولتی مارے گا، بارہ سنگا سینگھ مارے گا، اسی طرح دیگر چرند پرند اپنے اپنے انداز میں جھپٹتے پلٹتے دیکھے جاسکتے ہیں۔

انسان کی حالت بھی ان سے سے کچھ مختلف نہیں، مولوی فتوہ دے دے گا، وکیل کیس کر دے گا، فوجی بندوق کا استعمال کرتے گا، صحافی زبان اور قلم کا استعمال کرے گا اور ارباب اختیار اپنے اپنے اختیار کا استعمال کریں گے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے مگر انسانوں کو بہت سے جبلی تقاضے حیوانوں کی طرح پورے کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے، جیسے انسان کاٹ بھی لیتے ہیں، پاوں اور ہاتھ کا استعمال بھی کرتے ہیں اور سب سے زیادہ جبلی تقاضہ زبان سے برے کلمات ادا کر کے یا پھر جوتا مر کر یا پھر سیاہی پھینک کر یا پھر کسی کی عزت تار تار کر کے اپنے جبلی تقاضوں کی تسکین کی جاتی ہے۔

جن معاشروں پر کبھی مہذب ہونے کا ٹیگ نہیں لگا ہو تا ہو اسے بھی اپنی تہذیب کا حصہ سمجھنے لگتے ہیں اور طوفانِ بد تمیزی کو اپنے شعار کا حصہ بناتے دیر نہیں لگاتے۔ پھر ہر پلیٹ فارم چند ہی لمحوں میں مچھلی منڈی کا منظر پیش کرنے لگتا ہے اور جب سارا معاشرہ بد تہذیبی کے سمندر میں نہا نہیں لیتا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ایک طرف لوگوں کی جبلی تسکین پوری ہوتی چلی جاتی ہے ور دوسری طرف ایک اور جماعت نئے نئے آئیڈیاز کو جنم دینے میں لگی رہتی ہے۔

افسوس کا مقام تب آتا ہے جب اس مسئلے کو مسئلہ نہیں بلکہ مسائل کا حل سمجھنا شروع کر دیا جاتا ہے جس سے اس طرح کے دیگر عناصر تقویت پاتے ہیں اور اور پھر برائی کو اچھائی کے ساتھ مکس کر کے پروان چڑھایا جانے لگتا ہے۔

تہذیب کی بنیادی اکائیوں کا جنازہ نکل جاتا ہے، پڑھے لکھے افراد جنہیں معاشرے میں مثبت تبدلی لانی چاہیے تھی وہ بھی اس کارِ خیر میں آگے آگے ہوتے ہیں اور جنہوں نے کبھی سکول، کالج اور یونیورسٹی کا منہ ہی نہیں دیکھا ہوتا ان میں اور پڑھے لکھے افراد میں فرق نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ جاہل اور عالم ایک جیسے راگ الاپتے نظر آتے ہیں گویا محمود و ایاز کر فرق کچھ یوں ختم کر دیا جاتا ہے۔

اسلام ہمیں واضع طور پر تمسخر اُڑانے سے روکتا ہے، مگر کچھ لوگوں کے عقیدوں میں پین دی سری سرائیت کر جاتی ہے اور وہ اپنی جہالت کے اندھیروں کو اسلام کا نور بنا کر پیش کرتے ہیں جبکہ کہ نہ اسلام کبھی ایسا تھا اور نہ ہی اسلام کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا شمار مہذب قوموں میں ہو تو ہمیں اپنے رویوں میں تبدلی کی نہیں بلکہ یکسر بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہم جس چیز کو اپنے رویوں میں شامل کرتے جارہے ہیں یہ ہماری تہذیب میں کینسر کی طرح شامل ہو سکتا ہے۔ کینسر کا بروقت علاج نہ ہو تو اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اللہ ہمیں اپنی ذات اور اپنے معاشرے کا احاطہ کرنے اور خود کو راہ راست پر لانے کی توفیق دے۔

آمین دعا گو میاں وقار الاسلام

انٹرویو ماہنامہ بابِ دعا انٹرنیشنل

انٹرویو: میاں وقار الاسلام

انٹرویو ماہنامہ بابِ دعا انٹرنیشنل

سوال نامہ

1۔ آپ کا نام اور آپ کا قلمی نام؟

2۔ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟

3۔ تعلیمی قابلیت؟

4۔ ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

5۔ اعلٰی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

6۔ پیشہ؟

7۔ اہم سنگ میل

8۔ آپ کے لکھنے کی ابتدا کیسے ہوئی کب سے ہوئی؟

9۔ کیا آپ کے خاندان میں کوئی شاعر یا ادیب ہے؟

10۔ کتنی زبانوں پہ عبور حاصل ہے؟

11۔ آپ کی اب تک کتنی کتابیں پبلش ہو چکی ہیں؟

12۔ اخبارات یا رسائل سے وابستگی؟

13۔ پسندیدہ شاعر کون ہے کس سے متاثر ہوئے؟

14۔ زندگی کا فلسفہ بتائیں۔ آپکی کی نظر میں؟

15۔ معاشرہ کسے کہتے ہیں؟

16۔ آج کے دور میں شعراء بھی ہیں ادیب بھی ہیں کتابیں بھی لکھی جارہی ہیں لیکن تہذیب کم ہوتی جارہی ہے کیوں؟

17۔ آج کل کے ملکی حالات پر آپ کیا کہنے چاہیں گے؟

18۔ دورِ عروج کے ادب اور زوال یافتہ معاشرے کے ادب میں کیا فرق ہے؟

19۔ آپ کی نظر میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لیے کیا ضروری ہے؟

20۔ آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟

21۔ اگر آپ کو سیر سپاٹے کے لئے کہیں بھی کھلی چھٹی ہو تو آپ کہاں جانا پسند کریں گے؟

22۔ پسندیدہ کتاب یا ناول کونسا ہے؟

23۔ اردو زبان کا مستقبل آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

24۔ فیس بک کی شاعری کو آپ کیسا دیکھتے ہیں اور فیس بُک کی وجہ سے کیا نقصان پہنچا ہے ادب کو اور کیا فائدہ ہے؟

25۔ محبت کیا ہے آپ کی نظر میں؟

26۔ شاعری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے شاعری کیا ہوتی ہے؟

27۔ کوئی ایسے لمحات یا دور جس کے آنے کی خواہش ہو؟

28۔ آپ کی نظر میں تخلیق کسے کہتے ہیں؟

29۔ ایسی کونسی عادت جو اپنانا چاہتے ہوں اور ایسی کون سی عادت گھر والے بھی بیزار ہوتے ہیں؟

30۔ اُردو ادب سے وابستہ لوگوں کے لیے کوئی پیغام؟

31۔ منتخب شاعری یا تحریر؟

32۔ آخر میں نوجوان نسل کے لئے کوئی پیغام دینا چاہیں؟

انٹرویو ماہنامہ بابِ دعا انٹرنیشنل

جواب نامہ

1۔ آپ کا نام اور آپ کا قلمی نام؟

میرا نام میاں وقارالاسلام ہے اور میں نے اپنا ادبی یا قلمی نام تبدیل نہیں کیا اس لیے میرا قلمی نام بھی یہی ہے۔

2۔ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟

17 جنوری 1978 کو میری پیدائش ایک ایسی فیملی میں جہاں اقدار اور اصولوں کو ہمیشہ ترجیح دی جاتی تھی جس کی وجہ سے مجھے ہمیشہ اپنی فیملی کا تعارف کرواتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے۔ میرا تعلق تحصیل میلسی، ضلع وہاڑی کی ایک سرائیکی آرائیں فیملی سے ہے۔ ہمارے اکثر رشتہ دار بنیادی طور پر زراعت کے پیشہ سے منسلک ہیں۔ ہماری زیادہ تر زمینیں اپنے آبائی علاقہ جلہ جیم میں ہیں۔

3۔ تعلیمی قابلیت؟

ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن

4۔ ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

ابتدائی تعلیم اپنے مقامی شہر میلسی کے گورنمنٹ پرائمری سکول میلسی سے حاصل کی، اور پھر گورنمنٹ ہائی سکول میلسی سے ہی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کے بعد سی کام اور ڈی کام گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سے مکمل کیا۔ ریگولر ایجوکیشن کی مکمل تفصیل نیچے دی گئی ہے۔

5۔اعلیٰ تعلیم کہاں سے حاصل کی؟
انٹرنیشنل سکول آف مینجمنٹ سائنسز (آئی ایس ایم ایس)، نیوپورٹ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، یو ایس اے (لاہور کیمپس، پاکستان) سے 3/1998-12/1999 میں ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن (مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم) کی ڈگری حاصل کی۔ 98-3 کے بیچ میں 3.524.0/ جی پی اے کے ساتھ اور فائنل ٹرم، ایم آئی ایس میں 4.0/3.89 جی پی اے کے ساتھ نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

بہاؤدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، کامرس ملتان پاکستان گورنمنٹ کالج سے 3/1996-3/1998 میں بیچلر آف کامرس (مارکیٹنگ) کی ڈگری حاصل کی۔ (مارکیٹنگ اور سیلز پروموشن میں گروپ پوزیشن ہولڈر رہا)

کیریئر سرٹیفکیشنز: 10/2001 مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل (ایم سی پی) ونڈوز 2000 ایڈوانس سرور کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

8/2000 میں انٹرنیٹ سروسس پرووائڈرز (آئی ایس پی) سیٹ اپ میں لینکس ریڈ ہیٹ کے ساتھ (کاروٹ سسٹم، لاہور کیمپس سے پروفیشنل سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

6/2000 میں سسکو سرٹیفائیڈ نیٹ ورک ایسوسی ایٹ (سی سی این اے)، سیکنڈ اور تھرڈ لیئر سسکو ڈیوائسس پر ہینڈز آن پریکٹس کے ساتھ سسکو کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

8/999 میں انگلش لینگویج سرٹیفکیٹ (جو برٹش کونسل اور نیوپورٹ یونیورسٹی کے زیر اہتمام تھا) حاصل کیا۔

6۔ پیشہ ؟

میں ایک پروفیشنل مینجمنٹ کنسلٹنٹ ہوں اور گذشتہ کئی برس سے مختلف سیکٹرز میں اپنی خدمات سرانجام دے چکا ہوں جن میں پبلک پے فون سسٹم، پبلک ایڈریس سسٹم، پبلک سرویلنس سسٹم، پاور ڈائیگنوسٹک سسٹم، برڈر ریپلنٹ سسٹم، ٹرانزٹ میڈیا سسٹم، پبلک ڈسپلے سسٹم، ملٹی پرپز ایلیویٹرز اینڈ لفٹرز، ملٹی پرپز سیکورٹی ڈورز، بیریرز اینڈ ٹرنسٹائلز، مارکیٹ سروے، مارکیٹ ریسرچ، کارپوریٹ ٹریننگ اینڈ ایچ آر ڈیویلپمنٹ، وومن ایمپاورمنٹ، چائلڈ لیبر، مائیکروفنانس، لارج فارمیٹ پرنٹنگ، فارمیسی، ریئل اسٹیٹ، ٹرانسپورٹیشن اینڈ لاجسٹکس وغیرہ اہم ہیں۔ بڑے کاروباری اداروں میں نئی ٹیکنالوجیز متعارف کراونے کا ایک کامیاب ٹریک ریکارڈ ہے، جن میں کئی ملٹی ملین ڈالرز پراجیکٹس شامل ہیں۔

دنیابھر کی متعدد معروف کمپنیوں کی جدید ایجادات پر ریسرچ بھی کی ہے۔ پاکستان کے لیے بہت سی بین القوامی کمپنیوں کی نمائندگی بھی حاصل کی اور پاکستان میں ان کے پراڈکٹس اور ٹیکنالوجیز کو متعارف بھی کروایا۔ بہت سی ایگزیبیشنز میں بھی حصہ لیا جن میں، گوادر فرسٹ انٹرنیشنل یگزیبیشن 2018، جدہ کیریئر ایگزیبیشنز، صنعتی ایگزیبیشنز، پاور اینڈ انرجی ایگزیبیشنز، پراپرٹی ایگزیبیشنز، ایجوکیشنل ایگزیبیشنز، پاک چین ایگزیبیشنز، پاک بھارت ایگزیبیشنز، اور آرٹ اینڈ کلچرل ایگزیبیشنز وغیرہ شامل ہیں۔ انٹرنیشنل ایگزیبیشنز میں شرکت کے لیے کمپنیز کو باقاعدہ کنسلٹنسی بھی فراہم کی۔

گوادر، مری لاہور، اسلام آباد، ملتان اور دیگر علاقوں کے ریئل اسٹیٹ پراجیکٹس کو پاکستان کے علاوہ متحدہ عرب امارات اور یورپ اور دیگر ممالک میں انٹرنیشنل مارکیٹنگ نیٹ ورک کے ذریعے متعارف بھی کروایا اور پاکستان میں کئی ملین ڈالرز کی انوسٹمنٹ کروائی۔ کئی کاروباری سیمینارز، ورکشاپس، نیو پراڈکٹ لانچ، سی ای او فورمز وغیرہ کا بھی اہتمام کیا۔ پریس ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے لئے کور سٹوریز، میڈیا رپورٹس، انٹرویوز اور سکرپٹ وغیرہ بھی لکھے۔

7۔اہم سنگ میل

ITRP2017انڈسٹریل ٹیکنالوجی ریسرچ پروگرام

CPEC2016پاک چائنہ اکنامک کوریڈور ریسرچ پروگرام

SWRP2015سولر اینڈ ونڈ انرجی ریسرچ پروگرام

HMRP2014ہوم لینڈ سیکوریٹی ریسرچ پروگرام

HTRP2013ہولوگرافیکس ٹیکنالوجی ریسرچ پروگرام

SPRP2013سیکوریٹی پرنٹنگ ریسرچ پروگرام

ALSP2012ایگریکلچرل اینڈ لائیوسٹاک ریسرچ پروگرام

CSRP2011کیمونیٹی سکیلز ریسرچ پروگرام

SFRP2010سی فوڈ ریسرچ پروگرام

AERP2010الٹرنیٹ انرجی ریسرچ پروگرام

FFRP2009پری فیبرک سٹیل سٹرکچرز ریسرچ پروگرام

MCRP2008میڈیا سٹی ریسرچ پروگرام

TMRP2007ٹرانزیٹ میڈیا ریسرچ پروگرام

GPRP2007گوادر پورٹ ریسرچ پروگرام

HRRP2006ہیومن ریسورس روبوٹکس ریسرچ پروگرام

PSRP2005پبلک سرویلینس ریسرچ پروگرام

MSRP2005مائیکروفنانس ریسرچ پروگرام

SDRP2004سوشل ڈیویلوپمنٹ ریسرچ پروگرام

GTRP2004گرافکس ٹیکنالوجیز ریسرچ پروگرام

CLRP2003سائبر لاء ریسرچ پروگرام

IFMS2003 انٹر نیشنل فرنچائزنگ منیجمنٹ سسٹم

WTRP2003 وائرلیس ٹیکنالوجی ریسرچ پروگرام

ASRP2002 ایڈوانس سرور ریسرچ کے پروگرام

USCS2001 یونیورسلی سسٹین ایبل کمپیوٹر سویٹ

MAP2000 میئر منٹ آف ایڈجسٹ ایبل پرسنیلیٹی

PPMS1999 پبلک پے فون مینجمنٹ سسٹم

8۔ آپ کے لکھنے کی ابتدا کیسے ہوئی کب سے ہوئی ؟

میری گُم نام شاعری کا آغاز تو شاید میرے ہوش سنبھالتے ہی میرے لاشعور کے کسی کونے میں ہو چکا تھا۔ یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ جواں ہوتے احساسات اور جذبات میں رنگتا گیا۔ 1993 سے باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا، اُس وقت میری عمر تقریبا 16 سال کے لگ بھگ تھی اور میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔

9۔ کیا آپ کے خاندان میں کوئی شاعر یا ادیب ہے ؟

میرے دادا حکیم حاجی میاں قمر الزمان سکلینی مرحوم سرائیکی زبان کے شاعر تھے اور زیادہ تر حمد اور نعت لکھتے تھے۔ ان کے علاوہ میرے نانا نمبر دار حاجی میاں محمد رمضان اردو زبان میں افسانہ لکھتے تھے "ملک الموت کے کارنامے" ان کا مشہور افسانہ تھا جو تقریباًپانچ سو صفحات پر مشتمل تھا۔

10۔ کتنی زبانوں پہ عبور حاصل ہے؟

سرائیکی، پنجابی، اردو، انگلش پر کافی حد تک عبور حاصل ہے اس کے علاوہ عربی اور چینی زبان سیکھنے کی تھوڑی بہت کوشش ضرور کی تھی مگر زیادہ وقت نہیں دے سکا۔

11۔ آپ کی اب تک کتنی کتابیں پبلش ہو چکی ہیں؟

میری پہلی کتاب کا نام "من کٹھرا" تھا جو سال 2009 میں منظر عام پر آئی۔ کتاب کی رونمائی ہوٹل سن فورٹ لاہور میں ہوئی اور پروگرام کی صدارت ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ نے کی۔ میری دوسر کتاب کا نام "مثلِ کلیات" تھا جو 2014 میں مکمل ہوئی۔ میری تیسری کتاب کا نام "شہرِ داغدار" ہے جو کہ 2016 میں مکمل ہوئی ہے۔ میری چوتھی کتاب جو کہ ابھی زیرِ طباع ہے اس کا نام "سوزِ محشر" ہے۔

"مثلِ کلیات ریسرچ پبلیکیشن" محترمہ ڈاکٹر شہناز مزمل صاحبہ کی 30 کتابوں سے شاعری کا ایک مجموعہ ہے۔ "مثلِ کلیات" میں ڈاکٹر شہناز مزمل کی شاعری کے علاوہ ان کے ساتھ اور ادب سرائے انٹرنیشنل (دنیا میں معروف اردو ادبی فورم) کے ساتھ میرا 15 سالہ ادبی سفر نامہ بھی ہے۔

میری تین کتابیں: 1۔ "من کٹھرا" 2۔ "شہرِ داغدار" اور 3۔ "سوز محشر" تینوں مل کر ایک عظیم تصور "اسلامک وے آف لائف" کو بیان کرتی ہیں۔ "من کٹھرا" ہمارے خود کو سمجھنے کے بارے میں ہے کہ ہم کس طرح بنائے گئے ہیں۔ "شہرِ داغدار" ہماری کائنات کے بارے میں ہے کہ کس طرح کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ "سوزِ محشر" قیامت کے دن کے بارے میں ہے کہ

زندگی کے بعد کیا ہو گا۔ مزید یہ کہ یہ تینوں کتابوں بالترتیب "نفسِ امارہ"، "نفسِ لوامہ" اور نفس متمعئنہ پر بھی بات کرتی ہیں۔

وقارِ سخن ریسرچ پبلیکیشن سیریز

وقارِ سخن نے نام سے میری ایک اور ذیر طبع ریسرچ پبلیکیشن سیریز ہے جس میں 500 سے زیادہ شعراء اور شاعرات کے سخن پارے اور مختصر تعارف شامل ہے اس سیریز کی 3 جلدیں مکمل ہو چکی ہیں اور باقی جلدوں پر کام جاری ہے۔

15۔ نثری تصانیف کی تعداد اور نام؟

الف: بیسٹ لائف نوٹس۔ ریسرچ پبلیکیشن سیریز

اردو کی شاعری کی کتابوں کو علاوہ میری ایک اردو کتابوں سیریز بھی ہے جس کا نام ہے "بیسٹ لائف نوٹس ریسرچ پبلیکیشن سیریز"

بیسٹ لائف نوٹس اپنی نوعیت کا ایک منفرد کتابی سلسلہ ہے۔ ان کتابوں میں میری زندگی کے بہترین نوٹس کی کولیکشن ہے۔ کچھ نوٹس قرانِ مجید کے بارے میں ہیں یعنی جب میں قران پہلی دفعہ پڑھا تو کیا محسوس کیا اور بار بار پڑھنے کے بعد کس نتیجے پر پہنچا۔ پھر کچھ نوٹس حضرت محمدؐ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے ہیں، کچھ انؐ کی زندگی کے اہم پہلوؤں پر اور کچھ انؐ کے آخری خطبہ کے بارے میں۔

اسی طرح قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی کے کچھ اہم واقعات پر کچھ نوٹس میں اور کچھ علامہ اقبالؒ کی زندگی کے حالات و واقعات پر شامل کیا ہے۔ پھر کچھ مولانا رومی کی حکایتیں اور کچھ دیگر مثالیں وغیرہ جن سے زندگی کے رہنما اصول ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک واقعہ مرحوم اشفاق احمد صاحب کی کتاب زاویہ سے بھی لیا گیا ہے۔

کچھ نوٹس میرے پروفیشن اور بزنس کے حوالے سے ہیں، جو میں نے مختلف شخصیات کے ساتھ کام کرنے اور سیکھنے کے دوران قلم بند کئے تاکہ انہیں مزید لوگوں کی رہنمائی کے لئے سامنے لایا جاسکے۔ اسی طرح کچھ نوٹس کا تعلق میرے ادبی اور تعلیمی سفر سے ہے، جو آج بھی میری رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔

کچھ نوٹس کا تعلق پاکستان کے تاریخی، معاشی اور سیاسی پس منظر سے ہے۔ جن میں گوادر سی پورٹ، پاک چین اکنامک کوریڈور، پاک چین سیاسی، عسکری اور معاشی تعلقات اور پاکستان کے موجودہ اور مستقبل کے اہم ترقیاتی منصوبوں وغیرہ کی تفصیل شامل ہے۔ ان میں سے اکثر نوٹس، میری گوادر سے متعلقہ اہم پبلیکیشنز سے ہے۔

بیسٹ لائف نوٹس میں 100 سے زیادہ لوگ اپنا کم یا زیادہ حصہ ڈالا ہے۔ بیسٹ لائف نوٹس کی 10 جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔

ب: گوادر سے متعلقہ پبلیکیشنز

اردو کی کتابوں کے علاوہ میری 10 دیگر کتابیں ہیں، جن میں 9 گوادر "نیوز بکس" شامل ہیں اور ایک گوادر "ہینڈ بک" شامل ہے۔ یہ کتابیں 150 سے زیادہ نیشنل اور انٹرنیشنل نیوز پیپرز سے نیوز کا تحقیقی مجموعہ ہے۔ نیوز کولیکشن کا تعلق براہ راست گوادر کے تمام میگا پراجیکٹس اور گوادر ڈیپ سی پورٹ سے ہے۔ علاوہ ازیں چین پاکستان اقتصادی راہداری سے متعلق بھی بہت سی نیوز شامل ہیں۔ "گوادر ہینڈ بک" میں ضلع گوادر کی اہم معلومات گوادر پورٹ کی تفصیلات، اہم پراجیکٹس، گوادر کا تصویری سفر ، اہم نقشاجات، اہم اقدامات، اہم بیانات اور گوادر میں مستقبل کے منصوبوں کا احاطہ وغیرہ سب شامل ہے۔

12۔ اخبارات یا رسائل سے وابستگی؟

ماہانہ و سالانہ لیٹریری و کمرشل میڈیا رپورٹس، لیٹریری و کمرشل ایونٹ نیوز، لیٹریری و کمرشل انٹرویوز، سپلیمنٹس، ایڈورٹائزنگ، آرٹیکلز، شاعری، ٹی وی، ریڈیوز اینڈ نیوز پیپر سکرپٹس کی اشاعت اور براڈکاسٹنگ کے حوالے سے 150 سے زیادہ لوکل اور انٹرنیشنل میڈیا چینلز سے رابطہ رہا جن میں ریڈیو، نیوز پیپرز، ٹی وی، میگزینز اور مختلف آن لائن نیوز ویب سائٹس بھی شامل ہیں۔

13۔ پسندیدہ شاعر کون ہے کس سے متاثر ہوئے؟

ادب کی دنیا بہت وسیع ہے، ادب کے آسمان پر ان گنت ستارے ہیں، ہر ستارہ اپنی آب و تاب سے چمک رہا ہے، جسے دیکھیں اس کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔ اٹھارویں صدی سے شروع کریں تو میر تقی میر، نظیر اکبر آبادی، مرزا اسد اللہ خاں غالب، محمد ابراہیم خان، ذوق اور بہادر شاہ ظفر جیسے بڑے نام دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انیسویں صدی میں جھانکیں تو امیر مینائی، داغ دہلوی، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، اکبر الہ آبادی، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی اور جوش ملیح آبادی جیسے نام نظر آتے ہیں۔ آگے چلتے ہیں تو فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، استاد دامن، حبیب جالب، ناصر کاظمی، منیر نیازی، مصطفیٰ زیدی، احمد فراز، کشور ناہید، غلام محمد قاصر، پروین شاکر، ثمینہ راجہ، نوشی گیلانی اور ڈاکٹر شہناز مزمل جیسے کئی نمایاں نام نظر آتے ہیں، کس کا نام رکھیں اور کس کا چھوڑ دیں، ادب کے آسمان میں سب کا اپنا اپنا مقام ہے۔ نئے لکھنے والے ادب کے نئے افق تلاش کر رہے ہیں۔

14۔ زندگی کا فلسفہ بتائیں۔ آپکی کی نظر میں؟

فلسفہءحیات: روح وہ چیز ہے جو زندگی کا سبب بنتی ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا

"تمہارا پروردگار (اس سے) خوب واقف ہے) اور (اے رسول) تم سے لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تم (ان کے جواب میں) کہدو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کے حکم سے (پیدا ہوئی ہے) اور تم کو بہت ھی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے"۔

آیت نمبر 1: سورۃ زمر آیت زمر 42

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی ال اَن فُسَ حِی نَ مَو تِہَا وَالَّتِی لَم تَمُت فِی مَنَامِہَا فَیُم سِکُ الَّتِی قَضٰی عَلَی ہَا ال مَو تَ وَ
یُر سِلُ ال اُخ رٰ ی اِلٰ ی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَو مٍ یَّتَفَکَّرُو نَ

اللہ ہی سب کی روحیں قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور ان کی بھی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہوتا ان کی نیند (کی حالت) میں پھر ان جانوں کو تو وہ روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہوتا ہے اور دوسری جانوں کو وہ چھوڑ دیتا ہے ایک مقررہ مدت تک بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

بطور مسلمان ہمارا دوبارہ جی اٹھنے پر یقین ہے اس طرح زندگی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک اس دنیا کی عارضی زندگی اور دوسری اگلی دنیا کی آخری زندگی۔ دونوں جہانوں کی کامیاب زندگی کے لیے ہمارا بنیادی فلسفہءایمان ہی ہمارا فلسفہءحیات ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ: ترجمہ: نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اگر ہم ایمان پر قائم نہیں تو ہمارا فلسفہ ءحیات بھی قائم نہیں۔ اور اگر ہم اس ایمان پر قائم ہیں تو ہم ایک عظیم فلسفہ ءحیات پر کھڑے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا، اور ہمارے ہاتھوں میں بہترین فلسفہ ءحیات دیا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں اس فلسفہ ء حیات پر قائم رکھے اور ہمارے قدم مضبوط کرے اور ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر ہو! اور یہ بھی دعا ہے کہ آخرت میں ہماری روح بھی کامل اطمینان پانے والی ہو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

آیت نمبر 3: سورۃ فجر آیت 27-30

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ 27ڰ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً 28ۚ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ 29ۙ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ 30ۧ

ارشاد ہو گا) اے اطمینان والی روح۔ اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو۔ اور میری جنت میں داخل ہو۔ آمین

15۔ معاشرہ کسے کہتے ہیں؟

ایک خطّے میں بسنے والے کچھ دائمی رشتے بنا لیتے ہیں۔ ان دائمی رشتوں کو چلانے کی بنیاد مشترکہ افکار اور احساسات ہوتے ہیں جن کو لوگ قبول کرتے ہیں۔ مزید، ان افکار کا تحفظ ایک نظام کرتا ہے اور ان سے جو اتفاق نہیں رکھتا اس کو وہ سزا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر عورت اور مرد کے رشتے کو درست طور سے قائم کرنے کا ذریعہ شادی ہی ہے۔ اگر ایک انسان شادی کے طریقے سے رشتہ قائم کرتا ہے تو لوگ خوشی ظاہر کرتے ہیں اور نظام اس کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری جانب شادی کی تنظیم کے باہر اگر کوئی مرد کسی عورت سے رشتہ قائم کرتا ہے تو سماج اس رشتے کو غصّے کی نظر سے دیکھتا ہے اور نظام اس کو اس کو سزا دیتا ہے۔ مختلف افکار، جذبات اور نظام کی بنیاد پر انسانی معاشرے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم اسلامی معاشرے کی بات کرتے ہیں تو اسلام ہمیں ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے۔ جس کی مدد سے مسلمان اپنے معاشرے کو با آسانی امن کا گہوارا بنا سکتے ہیں۔ اگر ہم مسلم ممالک پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں کہ باشندے تو اکثریت میں مسلمان تو ہیں مگر اسلامی ضابطہ حیات کو جزوی طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔ جب اسلامی ضابطہ حیات کی بنیادوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جاتا ہے تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اسلامی ممالک میں افکار، جذبات اور نظام میں باہمی اختلاف نظر آتا ہے۔ اس لیے، بطور دین وہ اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور قران میں تلاوت بھی کرتے ہیں کہ "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے" (آل عمران:19) مگر ساتھ ہی ساتھ وہ مغربی طرز و تہذیب کی دعوت دیتے ہیں۔ جب کہ وہ تلاوت کرتے ہیں کہ: "نہیں، تمہارے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ (النساء65)

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایک اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ہماری مدد فرمائے، آمین

16۔ آج کے دور میں شعراء بھی ہیں ادیب بھی ہیں کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں لیکن تہذیب کم ہوتی جا رہی ہے کیوں؟

مہذب قومیں کی تہذیب انہیں یہ نہیں سکھاتی کہ ہر ظالم اور سر کش کی جی حضوری کی جائے، بلکہ مہذب قوموں کے باشعور افراد مظلوم کی آواز کو اُٹھاتے ہیں، ظلم کے خلاف لکھتے ہیں اور ایک عام آدمی کے درد سمجھتے ہیں اور اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ بے حس قوموں کی طرح سب اچھا ہے کا راگ نہیں الاپتے۔ نہ ہی مفلوج قوموں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے ہیں کہ اللہ سب دیکھ رہا ہے اللہ خود ہی سب ٹھیک کر دے گا۔ ہم بات کریں گے تو کسی مصیبت میں آجائیں گے۔ اور لوگ کیا کہیں گے۔ یہ ظالم پہلے والے سے کم ظالم ہے، یہ کرپٹ پہلے والے سے بہتر ہے۔ یعنی بڑا فرعون ہونا ظلم اور چھوٹا فرعون ہونا باعث رحمت، ایسے پڑھے لکھے جاہل اور مصلحت کے ذریعے ہر طرح کے مافیے کو سپیس دیتے دیتے پوری قوم کو اس آگ کی لپیٹ میں لے آتے ہیں۔

چور چھوٹا ہو یا بڑا چور چور ہوتا ہے اور اسے پکڑے جانے کا ڈر ہر وقت ہونا چاہیے، اگر عدالتیں نااہل ہوں چور کو یقین ہو کہ وہ کبھی نہیں پکڑا جائے گا تو وہ کبھی چوری نہیں چھوڑے گا بلکہ چوری کرنے کے ایک سے ایک مہذب رستے ڈھونڈے گا۔ اور عوام ایک طرف تو پستی جائے گی اور دوسری طرف واہ واہ کرتی جائے گی!

ایک عام آدمی حق پر بھی ہو تو بھی کرپٹ اداروں سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کی لپیٹ میں نہ آجائے، ہمارے ملک میں واپڈا، پی ٹی سی ایل، پولیس، ٹیکسیشن ریلوے خواہ کوئی بھی محکمہ ہو ہمیں سارے افسر جلاد نظر آتے ہیں، اور ہم ہر جگہ ہی ان سے ڈر

ڈر کر گزرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں واسطہ نہ پڑ جائے، حق پر چلنے والے ان افسروں سے ڈر ڈر کر گذرتے ہیں جب کہ چور اور لٹیرے ان کی اوقات سے واقف ہوتے ہیں کہ کس کی کتنی قیمت ہے اور جہاں سے چاہتے ہیں با آسانی گذر جاتے ہیں۔

اگر ہم نے یہ مہذب معاشرہ بنایا ہے تو مجھے افسوس ہے ایسی سوچ پر جو اسے مہذب معاشرہ کہتی ہے جس کے پور پور میں کرپشن کا کینسر بھرا ہوا ہے! اور اس سے زیادہ افسوس مجھے ان پڑھے لکھے جوانوں پر ہے جن کی آنکھوں پر مصلحت کے پردے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف آواز آٹھانے کو غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ ظلم کے خلاف بولنا غیر مہذب نہیں ہے بلکہ ظالم کے خلاف نہ بولنا غیر مہذب ہے۔

17۔ آج کل کے ملکی حالات پر آپ کیا کہنے چاہیں گے؟

یہی کہ پاکستان ہر گز مایوس کن صورتِ حال میں نہیں ہے۔ ہمیں کبھی بھی اچھی لیڈر شپ نہیں ملی، ہمارے ادارے کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں، عوام میں بھی شعور کا فقدان ہے اور بھی بہت سے مسائل پاکستان کو درپیش ہیں۔ ہم سارا دن پاکستان کی سیاسی پر اور پاکستانی اداروں پر تنقید کرتے رہتے ہیں یہ سب ہم پاکستان کی محبت میں کر رہے ہوتے ہیں تا کہ پاکستان کو ہر چیز نمبر 1 ملے۔ آئیڈل ازم دنیا میں کہیں نہیں ہے، خود امیریکہ بھی اپنی تاریخ کی بدترین لیڈر شپ کے شکنجے میں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے سب ختم ہو گیا۔

پاکستان ہر گز ہر گز مایوس کن صورتِ حال میں نہیں ہے۔ شاید پاکستان جتنا مضبوط آج ہے اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ آج ہماری ملٹری طاقت کا موازنہ تاریخ کی کسی بھی دور سے نہیں کیا جا سکتا، معاشی لحاظ سے بھی پاکستان جس طرح کے معاہدے چین سے کر چکا ہے اس طرح کے اور اس سطح کے معاشی معاہدے کبھی امریکہ سے بھی نہیں ہوئے۔ 500 بلین ڈالر کی انوسٹمنٹ پاکستان میں 2045 تک ہر حال میں آنی ہے جس کے لیے چائنز کمپنیز گزشتہ 2 دہائیوں سے بھی زائید عرصے سے پاکستان میں دن رات

کام کرنے میں مصروف ہیں، دنیا کر سب سے بڑا سولر پلانٹ لگ چکا ہے، سی پیک کو دنیا کے سب سے بڑے روڈ، ریل اور کمیونیکیشن کوریڈور سے ملا جارہا ہے جن پر 24 گھنٹے کام ہو رہا ہے۔ پاکستان میں بجلی کے منصوبے جتنے زیادہ اور جتنے بڑے لیول پر آج ہو رہے ہیں کبھی نہیں ہوئے۔ ان منصوبوں کا فائدہ مشرف بھی لینا چاہتا ہے، زرداری بھی لینا چاہتا ہے اور نواز شریف بھی لینا چاہتا ہے اور آرمی بھی لینا چاہتی ہے۔

مگر یقین مانیے ان سارے منصوبوں کے پیچھے سوائے اللہ کی ذات کے اور کوئی نہیں جس نے دنیا کے نقشوں کو تبدیل کرنا شروع کیا، چین معاشی طور پر اتنا مضبوط ہوا کہ اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے ساتھ ساتھ ایشا کے 60 سے زیادہ ملکوں میں اپنی انوسٹمنٹس کا ایک وسیع نیٹ وورک بنانے کے قابل ہو گیا۔ چائنہ 60 سے زیادہ ملکوں میں ایک ہی وقت میں کام کر رہا ہے، اور چائینہ کر ترقی میں ان 60 سے زیادہ ملکوں کی اپنی ترقی بھی شامل ہے اور اس عظیم کام کے لیے چائنہ کے اندازے کے مطابق 4 سے 8 ٹرلین ڈالر کی انوسٹمنٹ کی جائے گی اور اس میں ولڈ بنک، ایشن ڈویلپمنٹ بنک اور آئی ایم ایف پہلے سے شامل ہیں۔

یہ 60 سے زیادہ ممالک دنیا کی آبادی کا 60 فیصد سے زیادہ ہیں، دنیا کے تیل کے وسائل کا 70 فیصد ہیں جب کہ دنیا کی آمدنی کا صرف 30 فیصد ہیں۔ اسی لیے ان میں انوسٹمنٹ پر آمدنی کی شرع بھی ترقی یافتہ ملکوں سے بہت زیادہ ہے۔

ایشا دنیا کی سازشوں کا گھڑ ایسے لیے بنا ہوئے ہے کیوں کہ جو ایشیا میں ڈومنیٹ کرے گا وہی دنیا کی اگلی معاشی طاقت ہو گا۔ اور جو ایشیا کی معشیت کا حصہ نہیں بن سکے گا ایسے ترقی یافتہ ملک اگلے دور کے ترقی پذیر ملک ہو سکتے ہیں۔ ایک طرف غریب ملک اپنے بہتر مستقبل کی جن لڑ رہے ہیں اور دوسری طرف ترقی یافتہ ملک اپنی ڈوبتی ہوئی معشت کو بچانے کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

پاکستان میں چائینہ نے تب تک یہ معاہدے نہیں کئے جب تک سب سیاسی جماعتوں اور آرمی سب کو ایک پیج پر لا کر دستخط نہیں کروا لیے۔ اس کا فائیدہ یہ ہوا ہے کہ یہ آپس میں جتنا بھی لڑیں س پیک کے حوالے سے کبھی نہیں لڑیں گے۔ ہمارے سیاسی حکمران اتنے سیانے نہیں ہیں کہ اس طرح کی صورت حال کو خود جنم دے لیتے جن کی سوچ ہمیشہ سے بانجھ پن کا شکار رہی ہے۔

اللہ نے ہمیں ایک ایسی لوکیشن دی ہے جو پوری دنیا میں اپنی اہمیت کالوہا منواتی آرہی ہے جس کی وجہ سے پہلے ہمیں امیریکہ بیٹھا کر کھلاتا رہا اور اب چایئنہ بیٹھا کر کھلا رہا ہے۔

انڈیا نے بھوٹان میں اپنی فوج داخل کی جس کی وجہ سے چائنہ اور انڈیا کا ایشو گذشتہ دنوں سے کافی شدت اختیار کر گیا تھا کیوں کہ چائینہ نے انڈیا پر واضع کر دیا کہ وہ یہاں سے نکل جائے ساتھ یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اگر پاکستان اشارہ کرے تو سوڈان میں انڈین آرمی کی طرح کمشیر میں چائینہ کی آرمی بھی داخل ہو سکتی ہے! اور یہ ایک دن ضرور ہونا ہے۔ امریکہ سے تو ہم اخلاقی تعاون کی بھی امید نہیں کر سکتے کیوں کہ امیریکہ کا اندھا پن اس بات سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اسے دہشت گرد اور حریت پسند کا فرق ہی نہیں معلوم۔

یہ ہماری قوم کے مسلسل صبر کا پھل اور ہماری تمام تر آزمائشوں کا اچھا بہترین بدل ہے۔ اب جو بھی پاکستان اور چائینہ کی دوستی کے خلاف بات کرتا ہے وہ یقیناپاکستان کے روشن مستقبل کے خلاف بات کرتا ہے اور یہ بات آرمی نے تمام سیاسی کارکنوں کو اچھی طرح سے سمجھا دی ہے۔ پاکستان زندہ بعد!

18۔ دورِ عروج کے ادب اور زوال یافتہ معاشرے کے ادب میں کیا فرق ہے؟

ہمارے ہاں ایک کلچر پایا جاتا چھوٹے میں خود کو بڑے میاں سمجھتے ہیں اور بڑے میاں اپنے بڑے ہونے کا ثبوت نہیں دیتے۔ پھر ہوتا یوں کہ نہ چھوٹے کی عزت بچتی اور نہ بڑوں کا بھرم بچتا دونوں ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ایک مچھلی منڈی کا ساماں بندھ جاتا ہے۔ وکیل کا سب سے بڑا دشمن وکیل، استاد کا سب سے بڑا دشمن استاد، جج کا سب سے بڑا دشمن جج، سیاست دان کا سب سے بڑا دشمن سیاست دان، شاعر کا سب سے بڑا دشمن شاعر اور ادیب کا سب سے بڑا دشمن خود

ادیب، ڈاکٹر کا سب سے بڑا دشمن ڈاکٹر اور جرنلیسٹ کا سب سے بڑا دشمن جرنلیسٹ۔ یہ اگر کہیں اپنی کوئی یونین یا گروپ بھی بناتے ہیں تو بڑے میاں ایک طرف اور چھوٹے میاں ایک طرف اور دونوں طبقے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتے نظر آتے ہیں اور لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے۔ ان سب میں ایک بات یکساں پائی جاتی ہے کہ ایک تو سسٹم ٹھیک نہیں اور دوسرا کہ گورنمنٹ کچھ نہیں کرتی۔ کبھی کسی طبقے کا کسی بھی بات پر تسلی کا جواب موصول نہیں ہوتا۔

ہماری تربیت سکولوں سے کی جاتی ہے جہاں سینئر طلبہ نئے آنے والوں کا بے عزتی سے بھرپور ویلکم کرتے ہیں، مختلف ملازمتوں میں نئے ملازموں سے ہتک آمیز کام لیئے جاتے ہیں جس سے ان کی عزت نفس مر جائے اور پرانے ملازموں کی تسکین پوری ہو جائے کیوں کہ جب یہ میدان میں آئے تھے تو ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

اس کلچر کو ختم کرنے کے لیئے ریگولیشن کی ضرورت ہوتی ہے جس سے سیلف ریسپیک کو پروٹیکٹ کیا جاتا اور ہتک آمیز رویوں کو کرائم کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کچھ ملکوں میں اوے کہنا یا انگلی سے اشارہ کرنے کی بھی باقاعدہ سزا ہے۔ ہمارے بزرگوں سے ہمیں کچھ مثالیں ملتی ہیں کہہ بچے ماں باپ کے برابر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ نیچے یا پاوں کی طرف بیٹھتے تھے لڑکوں کی نظریں نیچی ہوتی تھیں اور لڑکیوں میں بغیر دوپٹے کے سامنے آنے کا رواج نہیں۔ اساتذہ کی عزت بھی بڑے بزرگوں کی طرح کی جاتی تھی۔ پھر کیا ہوا بڑے میاں اور چھوٹے میاں سب نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔

اللہ فرماتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کو برا نہ کہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے اچھی ہو۔ مگر ہم اپنے آپ کو اونچا ثابت کرنے کے لیئے دوسرے کو نیچا دیکھانا فرض سمجھتے سو سب کی عزت جاتی رہتی ہیں۔

ہمارے لیئے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ جب بیٹھے ہوتے تھے یا پیدل یا سوار آرہے ہوتے تھے تو فرق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ مالک کون نوکر کون۔ مقام دل میں اتنا کہ ایک دوسرے پہ جان چھڑکی جائے۔ پیٹھ

پیچھے بھی کسی کی بے عزتی کرنے کی مثال نہیں مگر اب تو منہ پر بے عزتی کر دی جائے تو سر فخر سے تن جاتا ہے کہ بازی مار لی گئی۔ بڑے میاں اور چھوٹے میاں جب تک آپس میں ایک دوسرے کی حرمت کا تعین نہیں کریں گے رسوائی پوری جماعت پر ہر طرف سے حملے کرتی رہے گی۔ عزت کروانے کے لیے عزت دینی پڑتی ہے اور بڑوں کے عزت کیے بغیر جو مقام ملتے ہیں وہ بھی کھوکھلے ہوتے ہیں۔ اللہ ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنے اور ایک دوسرے کا بھرم قائم رکھنے کی توفیق دے آمین

19۔ آپ کی نظر میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لیے کیا ضروری ہے؟

اگر سوچ چھوٹی ہو تو کبھی بھی اعلیٰ مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ جب مالی درخت لگاتا ہے، تو پودے بڑے ہوتے ہوتے اس کے قد سے بھی بڑے ہو جاتے ہیں اور یہ وہ وقت ہوتا جب اس کے لگائے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودے اسے ڈھیروں پھل دینے لگتے ہیں۔

آپ بھی اپنے ارد گرد اپنے ماتحت لوگوں کے لیئے مالی بنیں، اس بات سے نہ ڈریں کہ اگر ان کا قد آپ سے بڑا ہو جائے گا تو آپ چھوٹے پڑ جائیں گے۔ مالی کا کام ایک بڑا کام ہے جو سب کو نصیب نہیں ہوتا۔ آپ پانی دیں بیج ڈالیں نگہداشت کریں اللہ سے ان کے بڑھنے اور بلند ہونے کی دعا کریں اور ادبات کا خوف جانے دیں کہ آپ کا قد چھوٹا ہو گا۔

آپ کا ہر پودا جب تک آپ سے بڑا نہیں ہو گا آپ کے لیئے پھل نہیں لائے گا۔ دل کو بڑا کریں سوچ کو کشادہ کریں، اپنے ہی لگائے ہوئے درخت کاٹ دیں گے تو نقصان کے سوا آپ کے ہاتھ میں کچھ نہیں آئے گا۔

20۔ آپ کے خیال میں اچھا ادب کیا ہے؟

اچھا ادب دکھی عوام کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ معاشرے کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے، عوامی مسائل کے حل وضع کرتا ہے، اچھی روایات کا تحفظ کرتا ہے، قومی ویلوز مضبوط کرتا ہے، باہمی ربط اور ہم آہنگی بڑھاتا ہے، معاشی و معاشرتی تناؤ کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ سماجی گراوٹ کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ادب کے اثرات بچوں سے لے کر بڑوں تک سب میں نظر آتے ہیں، پڑھنے کو اچھا ملتا ہے، سننے کو اچھا ملتا ہے، دیکھنے کو اچھا ملتا ہے، جس سے لوگوں کے ذہنی تناؤ بھی کم ہوتے ہیں اور عوام میں شعور بھی بڑھتا ہے۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ قوم ایک باشعور قوم بن کر سامنے آتی ہے۔

21۔ اگر آپ کو سیر سپاٹے کے لئے کہیں بھی کھلی چھٹی ہو تو آپ کہاں جانا پسند کریں گے؟

مکہ اور مدینہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں۔ دونوں ہی مقام بچپن سے ہر مسلمان کے ذہن میں تخیل کی جنت بنائے رکھتے ہیں۔ اور ان مقامات کو دیکھنے کی خواہش وقت سے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ان مقامات کر طرف روانہ ہو رہا ہو یا وہاں سے واپس آیا ہو، اس سے بھی ملنے کا تجسس بڑھ جاتا ہے، کہ اس نے جب پہلی نگاہ ڈالی ہو گی تو کیسا محسوس کیا ہو گا، جس جس مقام سے گزرا ہو گا تو اس کی کیفیت کیا ہو گئی اور جب وہاں سے واپس ہوا ہو گا تو کیا ہوا ہو گا۔ انہیں محبتوں سے بھرے ہوئے دل جب مقامِ مکہ یا مقامِ مدینہ پر پہنچتے ہیں تو طرح طرح کی کیفیات سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے تجربات بتاتے بتاتے نہیں تھکتے اور سننے والے ان تجربات کو سنتے سنتے نہیں تھکتے۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔

ہر مسلمان کی طرح مجھے بھی حسرت تھی کہ دونوں مقامات پر حاضری کی سعادت نصیب ہو جائے۔ مگر سعادت تو تبھی نصیب ہوتی ہے جب حکم آتا ہے۔ سو مجھے بھی حکم ہوا اور راستے کھول دیے گئے مشکلیں ہٹا دی گئی، اور مجھے اپنے تخیل کی جنت میں اُتار دیا گیا۔ دونوں مقامات کی زیارت کے بعد مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے میری تخیل کی جنت میں ایک باغ ہے، جس کا ایک حصہ مکہ ہے اور دوسرا حصہ مدینہ ہے۔ مکہ کی زیارت کے بعد جب میں مدینہ گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ اب سفر مکمل ہوا ہے۔ لوگ پوچھتے

ہیں کہ مکہ زیادہ اچھالگا یا مدینہ زیادہ اچھالگا، میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے دونوں ہی بہت اچھے لگے۔ دونوں کا اپنی اپنی اہمیت اور اپنا اپنا مقام ہے جو اللہ نے رکھ دیا ہے۔ دونوں مقامات کی اپنی ہی کشش ہے۔ جتنا دل مکہ جانے کا کرتا ہے اتنا ہی دل مدینہ جانے کا کرتا ہے، جتنا دل مکہ نا چھوڑنے کا کرتا تھا، اتنا ہی دل مدینہ نہ چھوڑنے کرتا تھا، اور جتنا دل پھر سے مکہ جانے کا کرتا ہے اتنا ہی دل مدینہ دوبارہ جانے کا کرتا ہے۔

جس طرح مکہ میں لوگوں کو اللہ کی یاد میں تڑپتے اور روتے ہوئے محسوس کیا، اسی طرح مدینے میں بھی لوگوں کو صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں تڑپتے اور روتے ہوئے دیکھا۔ اور خود کو بھی اسی طرح کی کیفیت سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ دنوں ہی مقامات عشقِ الہی اور عشق نبوی منزلیں ہیں جو ظاہری طور پر تو الگ الگ ہیں مگر روحانی طور پر آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ دونوں مقامات کی زیارت کے بعد ہی بے چین دل کے احساس کی تکمیل ہوتی ہے۔ روحانیت کا سفر مکہ سے شروع ہوتا ہے تو مدینہ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ دونوں ہی ایسے مقامات ہیں جن پر ہزار بار حاضری دے کر بھی دل نہیں بھرتا بلکہ تشنگی اور بڑھتی جاتی ہے۔

22۔ پسندیدہ کتاب یا ناول کونسا ہے؟

جب میں نے پہلی دفعہ قران ترجمے کے ساتھ پڑھا، تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہی قران تھا جسے پڑھ کر صحابہ روتے جاتے تھے، پھر یہ سوچا کہ مجھ پہ تو ایسی کیفیت آئی ہی نہیں، پھر یہی سوچ کر قران دوبارہ پڑھنا شروع کیا، پھر وہ پہلی آیت آ ہی گئ جس پر انتہا کی رقعت قائم ہوئی اور 45 منٹ تک میں اس آیت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

پارہ نمبر 4، آیت نمبر 188، سورت ال عمران

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۱۸۸

آپ ہر گز خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انھوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں آپ ہر گز یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ الفاظ میرے کانوں سے گزرتے اور میرے ماضی اور حال کے حالات میرے سامنے گھومنے لگتے، اگر مجھے کبھی کسی نے دھوکہ دیا، تو اس کے پیچھے جھوٹی تعریفیں ہی نظر آئیں، اور پروفیشنل لائف میں بہتر سے بہتر پراگرس کے لیے ہمیں یا اپنی کمپنی یا اپنے پراڈکٹس یا اپنی سروس کی خاطر خواہ تعریف کرنی یا کروانی پڑتی۔ میری زندگی کی فلاسفی کو بدلنے کے لیے یہ ایک آیت کافی تھی۔
میں اپنے آپ کو اسی دن سے مسلمان سمجھتا ہوں، اسلام کی روح کیا ہوتی ہے، اللہ کو یاد کیسے کیا جاتا ہے اس کے لیے رویا اور تڑپا کیسے جاتا ہے، میری ذات اس طرح کی کسی بھی کیفیت سے سطحی طور پر بھی ناواقف تھی۔

قران پڑھیئے، دنیا میں ہماری ذات کو جھنجوڑنے کے لیے اس سے بڑی اور کوئی چیز نہیں اتاری گئ! اسی لئے اسے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہے۔ ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے، کیا تمہیں پوری زندگی میں اتنا وقت نہیں ملا تھا، کہ ایک دفعہ قران پڑھ لیتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو قران پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے، اور اپنی ہدایت کے راستے پر ثابت قدم رہنے کی طاقت بھی دے، امین۔

23۔ اردو زبان کا مستقبل آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

کسی بھی عمارت کو کھڑا کرنے سے پہلے اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا جاتا ہے تا کہ اس پر ایک بڑی عمارت کھڑی ہو سکے۔ اگر بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہوں تو اس پر کچھ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ آج ہمیں ہر ادارے اور محکمے میں بڑے بڑے مسائل نظر آتے ہیں جن کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بنیادیں مضبوط نہیں۔ صحافت کی بنیاد انفارمیشن پھیلانا ہے مگر صحافت ہمیں سوائے ڈس انفارمیشن کے اور کچھ کچھ پھیلاتے نظر نہیں آتی، غیر حتمی ذرائع سے پورا ہفتہ چلنے والی خبر حتمی نہیں نکلتی تو پھر ایک ہفتہ عوام کا سر کھانے والے میڈیا کا سر کھولنا بنتا ہے یا نہیں۔

ہماری ادبی صورتِ حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں، ایسا نہیں ہے کہ اردو ادب فروغ نہیں پا رہا، اردو ادب جس تیزی سے پھیل رہا ہے اس کا معیار اتنی ہی تیزی سے گر رہا ہے کیوں کہ اردو کو فروغ دینے والے ادارے اپنا کردار ادا نہیں کر رہے۔ من پسند لوگوں کو بڑی آسانی سے اوپر لایا جا سکتا ہے اور معیاری کام ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔

جہاں تک لوگوں کا اپنی ذاتی حیثیت میں کام کرنے کا معاملہ ہے، بہت سے لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور اردو ادب کے حقیقی فروغ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اردو ادب کی بے لوث خدمت بھی کی جا رہی ہے مگر ادب کی خدمت کرنے والوں کی کوئی خدمت نہیں کرتا بلکہ ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا جاتا۔ جیسے حقیقی ادب لاوارث ویسے ہی حقیقی ادیب لاوارث۔

اردو کے فروغ کے لیے ہمیں چاہیئے کہ جن لوگوں نے اردو ادب میں اپنی زندگی صرف کر دی ان کے کام کو ایک جگہ اکھٹا کیا جائے اور اسے اگلی نسل تک پہنچایا جائے تا کہ ہماری نئی نسل اپنے کام کا آغاز وہی سے کرے جہاں سے موجودہ نسل اپنے کام کا اختتام کرے۔ نہ کے نئی نسل کو اپنا کام پھر سے صفر سے ہی شروع کرنا پڑے۔

24۔ فیس بک کی شاعری کو آپ کیسا دیکھتے ہیں اور فیس بُک کی وجہ سے کیا نقصان پہنچا ہے ادب کو اور کیا فائدہ ہے؟

فیس بک خود شاعری نہیں کرتی بلکہ ایک پلیٹ فارم فراہم کرتی ہے جس پر ہم جس طرح کے ادب کو چاہیں متعارف کروا سکتے ہیں۔ فیس بک اپنے آپ میں ایک دنیا ہے جس میں ہر طرح کے لوگ پوری دنیا سے شامل ہوتے ہیں۔ اس کا اپنا ایک الگ کلچر ہے جو کہ بہت سی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس دنیا کے اندر آپ اپنی ایک الگ دنیا بناتے ہیں جس میں آپ کے جاننے والے اور ناواقف لوگ شامل ہوتے ہیں۔ پھر آپ ان لوگوں تک اپنا پیغام پہنچاتے بھی ہیں اور ان کے پیغام کو پڑھتے بھی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی نے فیس بک میں آپ کو بہت سی سہولیات فراہم کر دی ہیں جس میں آپ اردو ادب کی تحریر، آواز اور ویڈیو تک شئیر کر سکتے ہیں مذید یہ کہ آپ براہ راست ٹیکسٹ، آڈیو اور ویڈیو پیغام کا تبادلہ بھی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ فیس بک کے کمرشل استعمال کی طرف جاتے ہیں تو آپ اپنی ادبی تخلیق کو بہت سے لوگوں تک رسائی دینے کے لیے اس کی باقاعدہ ایڈورٹائزنگ بھی کر سکتے ہیں اور آپ کا پیغام ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں، بلکہ کڑوڑوں لوگوں تک بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے لیے آپ کو اپنے گھر یا دفتر سے کہیں اور جانے کی ضرورت بھی نہیں۔

ٹیکنالوجی کے ذریعے ادب کو جو سہولیات ملی ہیں وہ شائید ہمیں اپنی حقیقی دنیا میں بھی کبھی نہ مل پاتیں۔ یہ وہ سہولتیں ہیں جن کے بارے میں شاید صرف 25 سال پہلے کے شعراء نے بھی کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ دن رات ان سہولیات میں تیزی سے اضافہ ہو تا جا رہا ہے۔ لاکھوں ادیب اپنی ادبی سرگرمیاں فیس بک پر ڈالتے رہتے ہیں اور اپنی کیمونٹی کو اپ ڈیٹ کرتے رہتے ہیں۔ اب تو یوں تصور کیا جاتا ہے کہ ادیب فیس بک پر نہیں وہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ ٹیکنالوجی وقت کی ضرورت ہے اور اسے ضرورت کے مطابق استعمال کر لیا جائے تو اس میں کوئی ہرج بھی نہیں۔

اب اس کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے ہیں، فیس بک جتنی بڑی دوکان ہے اس کا پکوان اتنا ہی پھیکا ہے۔ سو آپ کا بہت سارا وقت بے ذائقہ گزر جاتا ہے اور بعض دفعہ تو انتہائی بد ذائقہ بھی گزرتا ہے۔ جتنی تیزی سے معیاری کام لوگوں تک پہنچتا ہے اس سے دوگنی رفتار سے غیر معیاری کام بھی لوگوں تک پہنچتا ہے۔ جتنی تیزی سے آپ لوگوں کی نظر میں آتے ہیں اس سے دوگنی رفتار سے آپ لوگوں کی نظر سے گر بھی سکتے ہیں۔ جتنی زیادہ سہولتیں اتنی ہی زیادہ احتیاط۔ پھر فیس بک 9 سے 5 بجے تک بھی نہیں، کیونکہ یہ 24 گھنٹے چلتی ہے اس لیے یہ آپ کی ذاتی زندگی میں گھس کر آپ کی پرائیویسی کا بھی خاتمہ کر دیتی ہے۔ بہت سے لوگ اذیت ناک تجربات کی وجہ سے ورچیول سوسائیڈ بھی کر چکے ہیں۔

25۔ محبت کیا ہے آپ کی نظر میں؟

میری نظر میں محبت ایک قرض ہے اور اس قرض کی پوری قدر کرنی چاہیے۔ جہاں سے محبت نصیب ہو وہاں اسے کم از کم اس کی قدر کے مطابق واپس بھی لوٹانا چاہیے، حالانکہ محبتوں کے قرض پوری طرح اتارے نہیں جاسکتے۔ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے محبت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ جس جوڑے سے محبت کرتا ہے اُسے اُن کی محبت کا اور اپنی محبت کا عظیم تحفہ عطا کرتا ہے۔ بچے دنیا میں آنے سے پہلے ہی ماں باپ کی آنکھوں کے تارے بن جاتے ہیں اور جانے کیا کیا خواب والدین ان بچوں کے لیے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر وہ ان خوابوں کی تکمیل کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیتے ہیں کون ہے جو رب کا احسان اتار سکے اور اپنے ماں باپ کا قرض اتار سکے۔ اسی طرح ہمارے اساتذہ اور ہمارے دوستوں کی محبت کا بھی ہم پر قرض رہتا ہے جو ہماری زندگی کو خوبصورت بھی بناتے ہیں اور بامقصد بھی۔ محبت کا قرض محبت سے ہی اتارا جاسکتا ہے، جیسی ہمیں جس جس سے محبت ملی ویسی ہی محبت ہمیں ان سب کو واپس بھی دینی چاہیے اور جو محبت معاشرے نے ہمیں دی وہی محبت ہمیں واپس اسی معاشرے کو بھی دینی چاہیے۔ اور اگر اللہ کا فضل ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہمیں کچھ بھی نصیب نہ ہو، اللہ اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے تو ہم سب سے زیادہ مقروض اس ہستی کے ہیں جس نے ہمیں تخلیق کیا سو ہمیں اپنے خالق کی محبت کا قرض اس سے اور اس کے لوگوں سے محبت کر کے اتارنا چاہیے۔

26۔ شاعری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے شاعری کیا ہوتی ہے ؟

شاعری میری نظر میں ایک خوبصورت احساس ہے، ایسا ہی احساس جیسا ایک مصور کو اپنی تصویر سے ہوتا ہے، ایک باغبان کو اپنے باغ سے ہوتا ہے، ایک فن کار کو اپنے فن سے ہوتا ہے یا پھر ایک تخلیق کار کو اپنی تخلیق سے ہوتا ہے۔

شاعری میرا سب سے آخری شوق ہے، جب میرے پاس کچھ بھی اور کرنے کے لیے نہیں ہوتا تو میں شاعری کر لیتا ہوں، اسی لیے میں اپنے آپ کو کبھی بھی باقاعدہ شاعر نہیں کہتا۔

اتنے کم لگاؤ کے باوجود بھی شاعری میرے لیے بہت کچھ رہی ہے۔ جیسے کہ شاعری میری تنہائیوں اور رتجگوں کی ہمسفر رہی ہے۔ خوشیوں میں عید کے احساس کی طرح رہی ہے، اور غموں میں میری غمگسار بھی رہی ہے۔ میرے احساس کی عکاس بھی رہی ہے اور میرے جذبات کی زبان بھی رہی ہے۔ میں جب بھی تھک کر ہارا یا پھر ٹوٹ کر بکھرا شاعری نے ہمیشہ مجھے سمیٹا اور میری بھرپوری حوصلہ افزائی کی۔

جب میں نے قران کو پڑھنا اور سمجھنا شروع کیا تو شاعری کی وسعت نے ایک معلم کا کردار ادا کیا۔ بہت سی آئیتیں جو میرے دل میں گھر کر گئیں وہ شاعری کی بہروں میں بھی سموتی چلی گئیں اور زندگی کے نشیب و فراز میں میرے ساتھ ساتھ چلنے لگیں میرے سینے میں ٹھہریں اور میری زبان سے رواں ہوتی رہیں۔

27۔ کوئی ایسے لمحات یا دور جس کے آنے کی خواہش ہو؟

ویسے تو زندگی کے آسمان پر بہت خوبصورت لمحات کے ستارے جھلملاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مگر کچھ لمحات ایسے ہیں جن کو مول ادا نہیں کیا جاسکتا۔ سعادت سے بھرے ہوئے جو لمحات خانہ کعبہ کو پہلی نظر میں دیکھتے، خانہ کعبہ کا طواف کرتے، صفا اور مروا کے چکر لگاتے، خانہ کعبہ کے غلاف کو چھوتے، اور ہجرہ اسود کو چومتے ہوئے گزر گئے یقیناً ان سے قیمتی اور کچھ بھی نہیں۔ وہ لمحات بھی بہت قیمتی ہیں جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں روضہ ءرسول کے پاس گزرے یا پھر جنت البقی کے قریب گزرے۔ ایسے سعادت بھرے لمحات جن کا شکرانہ آج بھی پاک اشکوں سے ادا کیا جاتا ہو ایسے لمحات کو بار بار پالینے کی خواہش کون نہیں کرتا ہو گا۔ دعا ہے اللہ کسی کو اس سعادت سے محروم نہ کرے اور جسے یہ سعادت نصیب ہو اسے بار بار نصیب ہو۔۔۔ آمین

28۔ آپ کی نظر میں تخلیق کسے کہتے ہیں؟

خالق نے اپنے حکم سے ہر چیز تخلیق کر دی ہے اور ہم اُس کی بادشاہی میں اپنے حصے کی وہ گھڑیاں گزارتے ہیں جن کا تعین اس نے پہلے سے ہی کیا ہوا ہے۔ انسان کو جوڑ توڑ کا محدود سا علم دیا گیا ہے، میرے خیال کے مطابق انسان کچھ تخلیق نہیں کرتا بلکہ اللہ کے دیے ہوئے علم سے کچھ چیزیں مرتب کرتا ہے اور پھر خود کو ان کا خالق بنالیتا ہے۔ جبکہ خالق تو صرف اللہ کی ہی ذات ہے۔ ایک خوبصورت آیت ہے کہ

ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اُتارتے رہتے ہیں۔ الحجر، 20،21

سو اللہ جسے چاہتا ہے اپنے وسیع علم میں سے محدود علم عطا کرتا ہے ہمیں اپنے علم یا اپنی تخلیق پر اترانے کی بجائے اُس رب کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے ہمیں اپنے علم میں سے حصہ دیا۔

29۔ایسی کونسی عادت جو اپنانا چاہتے ہوں اور ایسی کون سی عادت گھر والے بھی بیزار ہوتے ہیں؟

ایک مثال ہے:

فرض کریں اک انسان کے ہاتھ میں کامن پن یا سوئی ہے اور وہ اس کو دوسرے انسان کے جسم پر مارتا ہے یا چبھو دیتا ہے۔ تو جو تکلیف متاثرہ انسان کو ہوتی ہے، تکلیف دینے والا انسان اُس کی کیفیت یا اُس کے احساس کو پوری زندگی سمجھنے کی کوشش بھی کرتا رہے تو اُسے سمجھ نہیں سکتا، جب تک کہ وہ سوئی یا کامن پن واپس اسی انسان کو آ کر نہ لگے۔ ایک انسان کے ہاتھ سے کسی دوسرے انسان کو پہنچنے والی تکلیف کے احساس کو سمجھنے کی اس سے اچھی مثال مجھے پوری زندگی میں کوئی اور نہیں ملی۔

اس مثال نے مجھے کافی حد تک مجھے اپنا آپ تبدیل کرنے میں مدد کی ہے!

میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ میرے ہاتھوں سے کسی کو تکلیف نہ ہو، اور میری خواہش ہے کہ میں اپنی اس عادت کو اور مضبوط کروں۔ اسی طرح اس عادت کا دوسرا پہلو جس میں انجانے میں کسی کو تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف دینے والے کو اس کا نہ ہی احساس ہوتا ہے اور نہ ہی خبر اس معاملے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ اور زبان کی حفاظت کرے تاکہ میرے ہاتھوں سے کسی کو تکلیف نہ ہو! اور نہ ہی میری زبان سے کسی کو رنج پہنچے! امین۔

30۔ اُردو ادب سے وابستہ لوگوں کے لیے کوئی پیغام؟

اردو ادب سے وابستہ لوگوں سے سوال بھی ہے اور ایک پیغام بھی، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ عوامی شاعر کہاں گئے

جب ایوب خان کا دور آیا

تیرا پاکستان ہے نہ میرا پاکستان ہے
یہ اس کا پاکستان ہے جو صدرِ پاکستان ہے

اقتدار ایوب خان سے جنرل یحییٰ خان کو منتقل ہوا تو حبیب جالب نے اُن کو بھی اسی لب و لہجے سے مخاطب کیا کہ

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا
اُس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقیں تھا

حبیب جالب کا بھٹو کو "خراج تحسین"

میں قائد عوام ہوں

جتنے میرے وزیر ہیں سارے ہی بے ضمیر ہیں
میں انکا بھی امام ہوں میں قائد عوام ہوں

جنرل ضیاء الحق کا دور آیا تو حبیب جالب نے نئے آمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

ظلمت کو ضیاء صر صر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
اس ظلم و ستم کو لطف و کرم اس دکھ کو دوا کیا لکھنا

آمریت کے بعد جب پیپلز پارٹی کا پہلا دور حکومت آیا اور عوام کے حالات کچھ نہ بدلے تو جالب صاحب کو کہنا پڑا

وہی حالات ہیں فقیروں کے
دن پھریں ہیں فقط وزیروں کے
ہر بلاول ہے دیس کا مقروض
پاؤں ننگے ہیں بے نظیروں کے

بے نظیر کے بعد نواز شریف کا دور شروع ہوا اور اُنہوں نے عوام کے لئے اپنے بلند بانگ دعوے شروع کئے تو عوامی شاعر بیماریوں کی پوٹ بن گئے تھے مگر اُن سے رہا نہ گیا۔ میاں نواز شریف نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں عوام کے لئے اپنی جان قربان کرنے کا مشہور بیان دیا تھا جس پر جالب نے کہا کہ

نہ جاں دے دو، نہ دل دے دو
بس اپنی ایک مل دے دو
زیاں جو کر چکے ہو قوم کا
تم اس کا بل دے دو

حبیب جالب

ظلم کے خلاف لکھنے کی روایات کم ہوتی جارہی ہیں، سسکیاں لیتی ہوئی عوام کا کوئی پرسانِ حال نہیں، اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

31۔ منتخب شاعری یا تحریر؟

الف: منتخب تحریر

قرانِ مجید کا بہترین شاہکار

میری ناقص عقل جس چیز کو قرانِ مجید کا بہترین شاہکار سمجھنے پر آمادہ ہے, میں اسے دوستوں سے ضرور شئیر کرنا چاہوں گا۔ قرانِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر طرح طرح کے مناظرے کئے ہیں، خاص طور پر جب محشر کے دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر کر طرف لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قران میں ہر جماعت کے معاملات بیان کئے ہیں، ان جماعتوں میں ایک گناہ گار جماعت شامل ہے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، ایک دوسری جماعت جو پرہز گاروں کی ہوگی جن کے چہرے روشن ہوں گے اور ایک تیسری جماعت جو سب سے آگے بڑھ جانے والی جماعت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان جماعتوں کے آپس میں بحث و تکرار کو بھی قلم بند کیا ہے۔ یہ بحث و مباحثہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

اور جب وہ دوزخ کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں تو ہر گناہ گار جماعت طرح طرح کے عذر پیش کرے گی تا کہ کسی نہ کسی طرح دوزخ کے عذاب سے بچ جائے۔ ایک جماعت کہے گی کہ یا اللہ یہ ہمارے بڑے، ہمارے عالم، ہمارے حکمران، ہمارے آباؤاجداد، دوست احباب خواہ کوئی بھی جماعت جس نے ان کو بہکایا ہو گا وہ اس کے بارے میں کہیں گے کہ انہیں دوگنا عذاب دیا جائے کیوں کہ انہوں نے ان کی زندگی اور آخرت تباہ کر دی۔ اللہ

فرمائے گا کہ ان کو بھی دگنا عذاب اور تم کو بھی دگنا عذاب تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یوں ہر جماعت اس طرح کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے۔

ایک اور جماعت کہے گی کہ یا اللہ ہم سے ہماری زمینیں، جائیدادیں، جاگیریں، سونا و چاندی، کاروبار، بال، بچے اور اہل خانہ خواہ جو کچھ بھی ان کی ملکیت ہو وہ سب لے لیا جائے اور کسی طرح ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ اس دن صرف اعمال کے سودے ہوں گے اور کسی سے ان کی ملکیت کا کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک اور جماعت یہ کہے گی کہ یا اللہ اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں جانا نصیب ہو تو ہم بھی نیک اعمال کریں اور گمراہوں میں نہ ہوں۔ تو ان کی یہ درخواست بھی رد کر دی جائے گی۔ ایک اور جماعت یہ کہے گی کہ یا اللہ ہمیں تو شیطان نے گمراہ کر دیا تھا، تو شیطان جواب دے گا کہ یا اللہ مجھ میں طاقت نہ تھی کہ ان سے کوئی گناہ کروا سکتا میں انہیں دور سے بلاتا تھا اور یہ خود ہی دوڑے چلے آتے تھے۔ تو اس جماعت کا یہ عذر بھی جاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہر گناہ گار جماعت کے ہر طرح کے عذر ان کو واپس کر دیے جائیں گے اور گناہ گار انسان یا جماعت کے ہاتھ میں صرف مایوسی اور بے بسی ہی رہ جائے گی۔

اب گناہ گار انسان یا جماعت کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اب سارے عذر ختم ہو گئے ہیں اور بچنے کی کوئی تدبیر باقی نہیں رہی اور اب اس کا ٹھکانہ صرف دوزخ ہے۔ اور جب دوزخ کے داروغہ انہیں دوزخ کی طرف ہانکتے ہوئے لے جا رہے ہوں گے، اور ان کے چہروں پر رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہو گا، اور ان کے دل اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے پھر ہم کلام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس وقت تمہاری ذات جس قدر بیزار ہو رہی ہے کہ دوزخ میں ڈالی جائے گی، اللہ کی ذات اس سے کئی گناہ زیادہ بیزار ہوتی تھی جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کی راہ اختیار کیا کرتے تھے۔

تصنیف: بیسٹ لائف نوٹس

مصنف و مرتب: میاں وقار الاسلام

جلد: 1

ب: منتخب حمد و ثنا

حمد باری تعالی

پھیلا ہوا ہے چار سُو یہ رَب کا نور ہے
میں کیا ہوں مجھ کو کس لئیے خود پر غرور ہے

مجھ بے خبر کو آج تک اپنی خبر نہیں
میرے لہو میں دوڑ تا رَب کا شعور ہے

حیراں ہے عقل اُس کی عطاؤں پہ ہر گھڑی
یوں نعمتوں میں بھر دیا رَب نے سرور ہے

رُوشن کتاب خیر و بقاء کی نوید ہے
بے علم اِس کی رحمتوں سے کتنا دور ہے

بد کار، گناہگار پہ اپنا فضل کیا
توبہ کے در پہ ہوں کھڑا کہ وہ غفور ہے

شاعر: میاں وقارالاسلام

حمد باری تعالی

زباں ذکرِ الٰہی سے کبھی خالی نہیں ہوتی
ہوں جیسے بھی مرے حالات بدحالی نہیں ہوتی

یہاں زندہ دلوں پر ہی تو خوشیاں راج کرتی ہیں
اگر چھائی ہو مایوسی تو خوشحالی نہیں ہوتی

کبھی مردہ دلوں کی حسرتیں پوری نہیں ہوتیں
مگر ایمانِ کامل سے بداعمالی نہیں ہوتی

اگر منزل ہی باطل ہو ڈگر سیدھی نہیں ہوتی
مسافت راہِ حق پر ہو تو پامالی نہیں ہوتی

یہاں نظرِ جہاں دیدہ بہت مسرور ہوتی ہے
بدل ڈالے اگر دل سمت ہریالی نہیں ہوتی

شاعر: میاں وقارالاسلام
تصنیف: شہرِ داغدار

حمد باری تعالی

شاید عمل یہ میرا پسندیدہ نہیں ہے
مایوسیوں سے آنکھ یہ نم دیدہ نہیں ہے

میں کیسے بڑھوں آگے نظر کچھ نہیں آتا
اندھی ہے عقل کیونکہ جہاں دیدہ نہیں ہے

نظریں چرا کے یاں سے چاہوں گا میں گزرنا
رب سے یہ جانو کچھ بھی تو پوشیدہ نہیں ہے

عاصی نے بھی اپنے پر ہیں ظلم بہت ڈھائے
اور اپنے کیے پر بھی رنجیدہ نہیں ہے

توبہ تو کر لی ڈر کر رب سے وقار تو نے
لگتا ہے تیرا دل تو سنجیدہ نہیں ہے

شاعر: میاں وقارالاسلام
تصنیف: شہر داغدار

حمد باری تعالی

چاہا ہم نے سورج کو بھی
چاند سے ہم نے الفت کی ہے

عکس خدا کا ہر ذرے میں
ذروں نے بھی عبادت کی ہے

حیا پروئی ہے نظروں میں
ہر انسان کی عزت کی ہے

اہل وفا سے دنیا بھر کے
ہر باسی نے شرارت کی ہے

رب سے پیار کیا ہے جس نے
اس نے سب سے محبت کی ہے

شاعر: میاں وقار الاسلام
تصنیف: سوزِ محشر

حمد باری تعالی (نظم)

اپنے فضل سے کر عطا مولا

میرے شکر پہ نہ جا مولا

میرا شکر ہے، ہی کیا مولا

اپنے فضل سے کر عطا مولا

میرے صبر پہ نہ جا مولا

میرا صبر ہے، ہی کیا مولا

اپنے فضل سے کر عطا مولا

میرے ذکر پہ نہ جا مولا

میرا ذکر ہے، ہی کیا مولا

اپنے فضل سے کر عطا مولا

میری نذر پہ نہ جا مولا

میری نذر ہے، ہی کیا مولا

اپنے فضل سے کر عطا مولا

میری فکر پہ نہ جا مولا

میری فکر ہے، ہی کیا مولا

شاعر: میاں وقار الاسلام

تصنیف: شہر داغدار

ب: پہچان غزلیں

اُبھرتے سورج کا سلام تیرے نام کر دیتا
دن کے سارے تام جھام تیرے نام کر دیتا

سردیوں کی دھوپ ساری گرمیوں کی چھاؤں بھی
موسموں کی سرد شام تیرے نام کر دیتا

اختیار ہوتا گر اس بہار پر میرا
رنگ و بو کے انتظام تیرے نام کر دیتا

دل کی کیفیت کو میں جب بیان کر سکتا
حسرتوں کے سب کلام تیرے نام کر دیتا

قید میں جو کر سکتا ان حسین لمحوں کو
آنے والے سب ایام تیرے نام کر دیتا

شاعر: میاں وقارالاسلام

سُنا ہے آج کی رات چاند نظر نہیں آیا
شاید مجھ سے رُوٹھا تھا جو اِدھر نہیں آیا

دل کی بازی میں تم سے ہار بیٹھا تھا
باز تو پھر بھی اے بازی گر نہیں آیا

دیارِ بے خبر سے ناداں کو میرا تجسس تھا
پر اِدھر بھولے سے بھی وہ بے خبر نہیں آیا

اُسے گلہ ہے میں نے بھلا دیا اُس کو
کیسے اُسے بتاؤں کب اُس کا ذِکر نہیں آیا
تیرے بغیر دربدر کتنا چلیں گے اب وقار
ہم پہ ٹوٹا قہر جو تجھ کو نظر نہیں آیا

شاعر: میاں وقارالاسلام

یہ جدائی تو بہت مشکل ہے
میرے ہمدم ترے وصال کے بعد

سال گذرا ہے سال گذرے گا
تم تو آؤ گے ایک سال کے بعد

میری آنکھیں تو بھیگ جاتی ہیں
پھر سے تیرے حسیں خیال کے بعد

دوستی کی مثال کیسے دوں
میرے ہمدم تری مثال کے بعد

میرے سارے جواب ہار گئے
ترے اک لاجواب سوال کے بعد

شاعر: میاں وقارالاسلام

کیسی زمیں کیسا آسماں یارب
عجب حیرت کا مکاں یارب

کوئی تو ہے فرشتہ یہاں
اور کوئی ہے شیطاں یارب

دل اسی بات کو سمجھ نہ سکا
کسے کہتے ہیں انساں یارب

یوں تو انسان نے ترقی کی
اور ہو تا گیا حیواں یارب

مجھے وہ قوتِ گویائی دے
جو ہو تیری بھی ترجماں یارب

شاعر: میاں وقارالاسلام

اُس کی آنکھوں پہ کیا کہا جائے
اُس کے ہونٹوں پہ کیا لکھا جائے

وہ تو ہے زندہ غزل کی صورت
اُس کے بارے میں کیا کہا جائے

اور کبھی بیٹھ کر اکیلے میں
اُس کی آواز کو سنا جائے

وہ اچھوتا خیال ہے اُس کو
خواب طرح سے بُنا جائے

یا کبھی دستِ دعا پھیلا کر کر
واسطے اپنے ہی مانگا جائے

شاعر: میاں وقارالاسلام

آسماں سر پہ کھڑا ہو جیسے
شہر ویران پڑا ہو جیسے

سرنگوں اس طرح ہے سارا نگر
کوئی احسان گڑا ہو جیسے

زندگی ایسا اک نگینہ ہے
دل مفلس میں جڑا ہو جیسے

اس طرح تجھ کو ہے محسوس کیا
تو میرے ساتھ کھڑا ہو جیسے

ایسا احساس دلاتا ہے بشر
سب فرشتوں سے بڑا ہو جیسے

شاعر: میاں وقارالاسلام

چند روز اپنی تم سے جو قربت نہیں رہی
تم سمجھے یہ کہ مجھ کو محبت نہیں رہی

گہرا ہے رگ و جان سے رشتہ تجھ سے
سوچا بھی کیسے تم نے کہ اُلفت نہیں رہی

اِس گردشِ دوراں نے چکرا دیا مجھے
اور مجھ میں سنبھل جانے کی طاقت نہیں رہی

کیا شام ڈھل گئی کسی سائے کی طرح سے
یا دوستوں کو میری ضرورت نہیں رہی

دھاگوں سے زیادہ نازک رشتے ہیں اپنے دل کے
اُلجھے تو اِن کی پہلی سی صورت نہیں رہی

شاعر: میاں وقارالاسلام

تم میری محبت ہو میری سزا نہیں ہو
اک بار کہہ دو مجھ سے کہ تم خفا نہیں ہو

تیرا خیال میری راتوں کا ہمسفر ہے
ان رت جگوں سے پوچھو کہ تم تنہا نہیں ہو

میں تیرے بعد کتنا بے آسرا ہوا ہوں
اپنے ہی دل سے پوچھو تم بے آسرا نہیں ہو

اس بے رخی پہ میری تم بھی تو روٹھتے ہو
پرواہ نہیں جو مجھ کو تم بے پرواہ نہیں ہو

مانا خطائیں میری بے حد شمار ہوں گی
میں بھی نہیں فرشتہ تم بھی خدا نہیں ہو

شاعر: میاں وقارالاسلام

بتائیں یہ کیسے کہ جذبات کیا ہیں
زباں پہ یہ اٹکی ہوئی اک صدا ہیں

یہ قطرے جو پلکوں پہ ٹھہرے ہوئے ہیں
مسلسل مرے ضبط کی انتہا ہیں

مجھے مثلِ شمع جلاتی ہیں شامیں
یہ دن ہجر کے بھی صبر آزما ہیں

جھکائیں جو پلکیں تو میں نے یہ دیکھا
کوئی بھی نہیں آپ جلوہ نما ہیں

مری شعر گوئی ہے ذکرِ مسلسل
نمازیں مری تیرے حق میں دعا ہیں

شاعر: میاں وقارالاسلام

ذہنوں کو نئی سوچ نرالے خیال دے
یہ شہر داغ دار ہے اِس کو اُجال دے

کیوں قوم بھول بیٹھی ہے اپنی اَساس کو
فرعونیت کو سب کے دلوں سے نکال دے

اِس نے بھلا دیے سبھی افکار اور ہنر
یہ قوم لازوال ہے اِس کو کمال دے

کامل تھا تیرا دین ہے گیا عاملوں کے ہاتھ
بوجہل کو ہمارے سروں سے تو ٹال دے

جانے کیوں لے اُڑی ہے خزاں موسمِ بہار
پھولوں سے خوشبیوں سے چمن کو جمال دے

شاعر: میاں وقارالاسلام

شام وسحر پہ میرے حصے لکھے ہوئے ہیں
ڈھلتے لمحوں پہ میرے قصے لکھے ہوئے ہیں

میرا حال وماضی میں نے لکھا ہے
باقی افسانوں کے عرصے لکھے ہوئے ہیں

میری غزلیں میرے من کے قصے ہیں
غم جو بھلائے پھر سے لکھے ہوئے ہیں

مردہ دلوں کی آنکھ میں آنسو کب آتے ہیں
سوکھا میرا دامن برسے لکھے ہوئے ہیں

میری زمین بھی مجھ کو کتنا کھا پائے گی
سارے بدن پہ میرے ورثے لکھے ہوئے ہیں

شاعر: میاں وقارالاسلام

ت: منتخب نظمیں

بس اتنی دعا ہے میری

سینے میں غم برابر نہیں
چشمِ پُرنم برابر نہیں
بس اتنی دعا ہے میری
جب اشک پیمانے کھلیں
تم پہ صبر دھانے کھلیں
تم آنسوؤں کو پی سکو
تم غموں میں جی سکو
کون غموں سے ابتر نہیں
زندگی پھولوں کا بستر نہیں
پھر سے جینے کا راستہ دے
خدایا باقی سفر آراستہ دے

بس اتنی دعا ہے میری

شاعر: میاں وقارالاسلام
تصنیف: شہرِ داغدار

دل آج بھی مقروض ہے

ریت کے گھروندوں کا
ٹوٹے ہوئے کھلونوں کا
کاغظ کے بیڑوں کا
بارش کے ریلوں کا

دل آج بھی مقروض ہے

چمکتے ہوئے جگنوؤں کا
رنگ برنگی تتلیوں کا
کمسن کھلتی کلیوں کا
نِت نئی بہاروں کا

دل آج بھی مقروض ہے

کچے پکے خوابوں کا
بھولی بسری یادوں کا
کھٹی میٹھی باتوں کا
بے نام رشتوں کا

دل آج بھی مقروض ہے

بن مانگی دعاؤں کا
تسلسل سے عطاؤں کا
بے بہار حمتوں کا
بے شمار نعمتوں کا

دل آج بھی مقروض ہے

آنکھوں کے سمندر کا
اُمنڈتے قیمتی اشکوں کا
چھلکتے انمول موتیوں کا
بھیگتے کانپتے ہونٹوں کا

دل آج بھی مقروض ہے

ماں کی محبت کا
باپ کی شفقت کا
بے پناہ اُلفت کا
دونوں کی عظمت کا

دل آج بھی مقروض ہے

ہر روز کی خطاؤں کا
چھوٹی موٹی سزاؤں کا
ہلکی پھلکی آہوں کا
محفوظ پناہوں کا

دل آج بھی مقروض ہے

اُلٹے پھلٹے لفظوں کا
ٹوٹے پھوٹے شعروں کا
ٹیری میڑی باتوں کا
بے عنوان تحریروں کا

دل آج بھی مقروض ہے

کاغذ میں لپٹے خیالوں کا
پل میں گزرے سالوں کا
سوزِ عشق کے احوالوں کا
دل میں پھوٹے چھالوں کا

دل آج بھی مقروض ہے

شاعر: میاں وقارالاسلام

تصنیف: شہر داغدار

تم شاعری سمجھتے ہو

اپنے احساسات کو
تحریر کیا ہے
میں نے جذبوں کو
الفاظ پہنائے ہیں

تم شاعری سمجھتے ہو

میں خوشبو کی طرح
بکھرا بھی ہوں
میں نے پھولوں سے
رنگ چرائے ہیں

تم شاعری سمجھتے ہو

ساون کی طرح
برسا بھی ہوں
ویران آنکھوں میں
آنسو سجائے ہیں

تم شاعری سمجھتے ہو

شمع کی طرح
دل جلایا ہے
پروانوں کی طرح
پر جلائے ہیں

تم شاعری سمجھتے ہو

شاعر: میاں وقارالاسلام
تصنیف: شہر داغدار

چشمِ آوارہ

اے چشمِ آوارہ
تو چشمِ تَر میں
ڈُوب جائے گی
تو کہاں جائے گی
دل کے رِشتوں کی
اَگر مگر میں
ڈوب جائے گی
تو کہاں جائے گی

یہ زیرِ جوبن
پڑی مدھوشیاں
یہ اَدائیں اُمنڈتی شوخیاں
یہ مغرور سی طبیعت
لڑکھڑاتے ڈگمگاتے
بے سہارا
جذبوں کی لہر میں
ڈوب جائے گی
تو کہاں جائے گی

یونہی چلتے پھرتے
کسی دن
شام کے وقت
سوچ کی وادیوں میں
کہیں
مجھے دیکھ کے
چونکے گی
پچھلے پہر میں
ڈُوب جائے گی
تو کہاں جائے گی

اے حسرتِ دلِ ناداں
تجھے بَر آنا ہے
تو اُٹھ جا
حالات سے لڑنا سیکھ
یہ داستان عشق بھی
رواج کے بھنور میں
ڈُوب جائے گی
تو کہاں جائے گی

ہاں اور ناں کی
زنجیر سے تم
باندھے رکھنا خیالوں کو
زندگی اسی کشمکش
کی زِیر وزَبر میں
ڈُوب جائے گی
تو کہاں جائے گی

شاعر: میاں وقارالاسلام
تصنیف: من کٹہرا

محور تم ہو

جام ساغرِ حیات کی
سبھی لہروں بحروں کا
محور تم ہو
نشیب سے فراز تلک تم
رواں جھرنوں کا
محور تم ہو

مانندِ مہتابِ شبِ روشن تم
اور تیرا وصالِ جاں نثار
من کے سمندر میں
اُمنڈتے ہوئے طوفانوں کا
محور تم ہو

چنچل سی کہکشائیں
جب پھیلاتی ہیں
فلک پہ عروسی آنچل
گھٹا کے چلمن سے جھانکتے
اَنگنت ستاروں کا
محور تم ہو

مانندِ شمعِ فروزاں تیرا طلسم
اور محفلِ شبِ غارت
جلتے ہوئے پروانوں کی
پتھرائی ہوئی آنکھوں کا
محور تم ہو

دل کی دھڑکنیں چلتی ہیں
جن مداروں پہ
تھم تھم کر
اُن اُونچے نیچے
ٹیڑھے میڑھے
راستوں کا
محور تم ہو

شاعر: میاں وقارالاسلام
تصنیف: من کٹھرا

32۔ آخر میں نوجوان نسل کے لئے کوئی پیغام دینا چاہیں؟

مسکراہٹ اور آنسو دونوں کا تعلق انسان کے احساسات سے ہوتا ہے۔ میٹھی زبان احساسات میں رس گھول سکتی ہے۔ تلخ زبان احساسات کو زخمی کر سکتی ہے۔ نوجوان نسل کے لیے پیغام ہے کہ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم کسی کے آنسو کی وجہ نہ بنیں۔ ساتھ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم کسی کی مسکراہٹ کی وجہ بن سکیں۔ خاص کر کے ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ ہماری وجہ سے کسی کی مسکراہٹ نہ دب جائے یا کوئی ہماری وجہ سے اپنے آنسو پی جائے اور ہمیں محسوس بھی نہ ہو۔

دعا گو! میاں وقارالاسلام

www.mianwaqar.com

میڈیا ایڈوائزر

ادب سرائے انٹرنیشنل

www.adabsaraae.com

پرنسپل کنسلٹینٹ

مارول سسٹم

www.marvelsystem.com

ڈائیریکٹر آپریشن

نیازی گروپ آف کمپنیز

URL: www.niazigroup.com